اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ ن النَّبِی الأُمِّیِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّم تَسلِیمًا

جلد نمبر.................. 55
شمارہ نمبر 1
صفر ، ربیع اول ۱۴۴۱ھ
اکتوبر ۲۰۱۹

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

بانی	باہتمام	نگران	مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ	حضرت مولانا انوار الحق صاحب	مولانا حامد الحق حقانی	حافظ راشد الحق سمیع حقانی

اس شمارے کے مضامین

- نقش آغاز: شہید اسلام و پاکستان حضرت مولانا سمیع الحق صاحبؒ کی شہادت ایک برس گزرنے کے بعد بھی قاتلوں کی عدم گرفتاری؟ شیخ الحدیث مولانا اسفندیار خانؒ کی وفات......مولانا راشد الحق ۲
- اہل جنت اور اہل جہنم کون کون ہیں؟ .... شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق مدظلہ ۶
- حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ذاتی ڈائری.................. مولانا حافظ عرفان الحق اظہار حقانی ۱۲
- رہبر انسانیت جس نے انسانوں کو جینا سکھایا.............................مولانا محمد طارق نعمان ۲۵
- مولانا سمیع الحق شہیدؒ: جلال و جمال اور کمال کا حسین اِمتزاج......مولانا عبدالقیوم حقانی ۲۹
- ہجری کیلنڈر: اہمیت، ضرورت، تقاضے..............................مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی ۳۲
- جدیدیت کیا ہے؟ انسان ۱۸ویں صدی سے قبل اور بعد..................جناب سید خالد جامعی ۳۸
- برصغیر پاک و ہند میں صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے اولین نقوش......مولانا حذیفہ وستانوی ۴۹
- دارالعلوم کے شب و روز .... صاحبزادہ عبدالحق ثانی ۵۸
- تعارف وتبصرہ کتب...مولانا محمد اسلام حقانی ۶۱

نوٹ: ادارہ کا کالم نگار حضرات کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (خیبر پختونخوا) پاکستان۔
فون نمبر: +92 923 -630435
فیکس نمبر: +92 923 -630922
ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com
فیس بک ایڈریس: facebook\Alhaq Akora Khattak
ویب سائٹ: www.jamiahaqqania.edu.pk
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/40روپے۔سالانہ -/400روپے۔بیرون ملک 40$امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا سمیع الحق ' مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔منظور عام پریس پشاور
کمپوزنگ: بابر حنیف

650 / صفر ، ربیع اول ۱۴۴۱ھ اکتوبر ۲۰۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا راشد الحق سمیع

شہید اسلام و پاکستان حضرت مولانا سمیع الحق صاحبؒ کی شہادت ایک برس گزرنے کے بعد بھی قاتلوں کی عدم گرفتاری؟

والدی الکریم، مجاہد اسلام، بطل حریت، مدبر ملت شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی شہادت کے المناک سانحہ دونومبر ۲۰۱۹ء کو ایک سال مکمل ہوگیا ہے لیکن ان کو شہید کرنے والے ظالم قاتلوں کا سراغ آج تک نہ مل سکا اور حکومت و ادارے چپ سادھے ہوئے ہیں......

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں　　　تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

یہ بات ہر ذی شعور پاکستانی پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت مولانا شہیدؒ نے ہمیشہ اس مملکت کے نظریہ کے دفاع کی جنگ لڑی اور اس ملک کی جغرافیائی ونظریاتی سالمیت کی بقاء کے لئے آخر دم تک یہ بوڑھا جرنیل مشرقی ومغربی محاذوں پر ڈٹ کے کھڑا رہا، چاہے وہ افغانستان میں عالمی استعمار اور اس کی کٹھ پتلی حکومت کی مسلسل مخالفت ہو یا پھر دفاع پاکستان کے پلیٹ فارم کی صورت میں ہندوستان کے مظالم اور ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کرنا ہو، الغرض انہوں نے ہمیشہ اس ملک میں اسلامی نظریات اور جغرافیائی سرحدات کے تحفظ کی بات کی ہے اور اپنے آپ کو اس ملک کے ایک مخلص مجاہد و سپاہی کے طور پیش کیا، جب بھی ملکی سرحدات خطرے میں پڑیں تو حضرت مولانا شہیدؒ ہمیشہ صف اول میں سینہ تان کر کھڑے نظر آتے، ہر ملکی اور بین الاقوامی فورم پر پاکستان کے بقاء کی جنگ لڑی اور ہمیشہ اپنے لاکھوں شاگردوں، کارکنوں اور عقیدتمندوں کو پاکستان سے وفاداری کا درس دیتے رہے، حضرت مولانا شہیدؒ کی ذات گرامی سطحی قسم کے اختلافات اور فروعی جھگڑوں سے پاک رہی ہے، وہ ہمیشہ ملت اسلامیہ کے وسیع تر مفادات واتحاد کا سوچتے تھے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس قدر عظیم خدمات کے باوجود اس عظیم ہستی کے دن دھاڑے قتل اور اس کے بعد اداروں کی عدم دلچسپی اور خاموشی ناقابل فہم ہے، کیوں ایک سال بعد بھی ان سفاک قاتلوں کا کوئی سراغ، کوئی نشان نہ لگایا جاسکا، اگر پاکستان کے مخلص کمانڈر، جرنیل اور محافظ کی شہادت میں بیرونی اسلام و پاکستان دشمن قوتیں ملوث ہیں جیسا کہ حادثہ کے فوراً بعد بتایا گیا تھا تو اب تک سرکاری طور پر اس کا

اعلان کیوں نہیں کیا گیا؟ اوران ممالک سے اس ظلم عظیم پر باز پرس یا احتجاج کیوں نہیں کیا گیا؟ اور یہ بات خارج از امکان بھی نہیں کہ حضرت مولاناؒ کی شہادت کے اصل قاتل اور بھیانک سازش کو تیار کرنے والے اسلام اور پاکستان دشمن بیرونی عناصر ہوں کیونکہ ان کی نظروں میں حضرت مولاناؒ کی ذات شروع ہی سے کھٹکتی تھی،اسی لئے وہ موقع کی تلاش میں تھے کہ حضرت مولانا شہیدؒ کو اپنے راستے سے ہٹائیں تاکہ افغانستان میں اپنے مستقبل کے خطرناک منصوبوں کی تکمیل اور مذاکراتی عمل میں حضرت مولاناؒ اپنے شاگردوں کی سیاسی رہنمائی نہ کرسکیں،انہوں نے شہید شیخ اسامہؒ، امیر المومنین ملا اختر منصورؒ اور دیگر عالمی اسلامی رہنماؤں کے قتل کی طرح حضرت والد صاحبؒ کو بھی نشانہ بنایا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ جب بین الاقوامی ایجنسیاں حضرت مولاناؒ کے قتل میں ملوث نہیں تو پھر ان کا قاتل پاکستان کے اندر ہی کوئی ہوسکتا ہے؟ تو کیا پاکستان کے دفاعی اور تفتیشی ادارے اتنے کمزور ہیں کہ وہ اتنے بڑے عالم دین اور بین الاقوامی شخصیت کے قاتلوں کا سراغ نہ لگا سکیں؟ آخر کیا وجہ ہے کہ قاتل بیرونی ہیں تو وہ بھی معلوم نہ ہوسکے اور اگر داخلی ہیں تو اس کی ڈھونڈ بھی نہ لگائی جاسکی؟ اگر اس ظلم عظیم پر خاموشی یا ظالم پسندی حکومت کی پالیسی ہے تو پھر اس عظیم سانحہ پر پُراسراریت اور عدم توجہی سے تو یہی تاثر ابھرتا ہے کہ یا تو ریاست بیرونی قاتلوں کے دباؤ میں آگئی ہے یا خود اس کے کسی طاقتور فرد یا جماعت نے حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو بربریت کا نشانہ بنایا ہے۔آخر اس ملک کے عظیم عالم اور مدبر سیاستدان کی شہادت میں ملوث عناصر کو بے نقاب کرنے میں تفتیشی ادارے کیوں کامیاب نہیں ہو پارہے؟ حکومت پاکستان اور تفتیشی اداروں کیلئے یہ ایک سوالیہ نشان ہے کہ کیا دیگر مشاہیر علماء وزعماء کی شہادتوں کی طرح والدی المکرّم کا یہ واقعہ شہادت بھی پر اسرار ہی رہے گا؟ اوران سفاک قاتلوں کا صبح قیامت تک کوئی سراغ نہ مل سکے گا؟ جیسے کہ سابق صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق شہید اور جنرل اختر عبدالرحمٰن وغیرہ کو راستے سے ہٹایا گیا تھا اور اُن کی شہادت کی تحقیقات بھی تیس برس بعد بھی سامنے نہ آسکیں اور نہ ہی سابقہ وزیراعظم پاکستان محترمہ بینظیر بھٹو کے قتل کی تحقیقات تیرہ برس بعد بھی واضح نہ ہوسکیں، یہ حکومت پاکستان اور متعلقہ اداروں کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اب تک مولانا جیسے محبّ وطن عظیم پاکستانی سیاستدان کے قاتل گرفتار نہ ہوئے۔

ہم نے شروع دن ہی سے پولیس و دیگر تحقیقاتی ٹیموں کیساتھ اس سلسلے میں بھرپور معاونت کی ہے اور برادر محترم مولانا حامد الحق صاحب نے اپنی ایف آئی آر میں بھی اس بات کی نشاندہی کی تھی کہ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے اصل قاتل اور بھیانک سازش کو تیار کرنے والے اسلام اور

پاکستان دشمن بیرونی ممالک وعناصر ہیں کیونکہ ان کی نظروں میں شروع دن ہی سے حضرت مولاناؒ کی ذات اور دارالعلوم حقانیہ کی حیثیت کھٹکتی تھی ،قتل میں براہ راست ان کے شہریوں اور ایجنٹوں نے حصہ لیا ہے۔اب حکومت پاکستان، وزارت خارجہ اور وزارت داخلہ کو حضرت مولاناؒ کی شہادت پر ان قوتوں کے خلاف ہر سطح پر مؤثر آواز اٹھانی چاہیے، آخر حضرت مولاناؒ جیسے محبّ وطن،عظیم پاکستانی سیاستدان کے قاتلوں کی عدم گرفتاری یا اس پر مضبوط اسٹینڈ نہ لینا کس بات کی غمازی ہے؟ دفاع پاکستان کے تحفظ کیلئے ہی عمر بھر آپ نظریاتی وجغرافیائی سرحدوں پر پاکستان واسلام کے عظیم سپہ سالار اور جراتمند رہنما تھے۔کیا زندہ قومیں اپنے ہیروز کو یونہی فراموش کردیتی ہیں؟ ہم نے اپنے طور پر مسجد کے منبر سے لیکر پارلیمنٹ تک اور وہاں سے پاکستان کی عدالتوں اور مقتدرحلقوں کے تمام چھوٹے بڑے افسران، وزیروں ،مشیروں حتیٰ کہ وزیراعظم پاکستان اور آرمی چیف سے انصاف کے حصول کے لئے ملاقاتیں کیں لیکن اس ایک سال کے عرصہ میں ہماری ساری کوششیں اور مظلومانہ صدائیں صدابصحرا ہی ثابت ہوئیں، مقتدرشخصیات نے واضح طور پر ہمیں بتادیا کہ’’حضرت مولاناؒ کا قتل بھی ’’اندھاقتل‘‘ ہے جس طرح کہ امریکی صدر جان ایف کینیڈی اور پاکستان کے بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کے قاتل اوراس کی سازش کرنے والے سامنے نہ آسکے ،بدقسمتی سے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے قاتل بھی اب تک تلاش نہ کیا جاسکے لیکن ہماری تفتیش آخر تک جاری رہے گی۔‘‘لیکن عملی طور پر تحقیقات کا نتیجہ آج بھی صفر بٹہ صفر ہے،نہ قاتل تلاش کئے جاسکے نہ آلہ قتل برآمد کیا جاسکا اوراب بھی ہمارا یہ موقف اور مطالبہ ہے کہ حضرت مولانا شہیدؒ کے قاتلوں کی گرفتاری کیلئے تمام تفتیشی ادارے منطقی نتائج دیں کیونکہ اصل قاتلوں کی عدم گرفتاری ملک وحکومت کیلئے ایک سوالیہ نشان رہے گا اور ہم آخر تک اصل قاتلوں کی گرفتاری کے مطالبہ پر قائم رہیں گے۔بہرحال مولانا شہیدؒ نے ہرمیدان میں اس ملک وملت کی خدمت میں پیچھے نہ رہے، انکی شہادت ایک ایسی عمر میں ہوئی جب وہ شیخ فانی بن چکے تھے، علالت کے باوجود صاحب فراش نہ تھے، انہوں نے زندگی بھر جس مقصد کیلئے جدوجہد کی اس مقصد کا اختتام ان کی شہادت پر ہونا انکا مقدر ٹھہرا تھا، وہ رخصت ہوتے ہوئے بھی علمی،دینی ،صحافتی ،سیاسی و دینی مدارس اور ملک کے تحفظ کے جدوجہد کے راستے سے علیحدہ نہ ہوئے اوراسی راستے میں اپنی جانثار کر کے رخصت ہوئے لیکن ان کی شہادت سے پاکستان اورامت مسلمہ ایک عظیم عالم دین، مدبر سیاستدان اور صاحب بصیرت مفکر سے محروم ہوگئی۔ ع اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ

شیخ الحدیث حضرت مولانا اسفندیار خانؒ کی وفات

موت العالِم موت العَالَم

جمعیت علمائے اسلام(س) کی جماعت کے سرپرست اعلیٰ، مرکزی نائب امیر، ممتاز عالم دین، یادگار اسلاف اور''جامعہ دارالخیر'' کراچی کے مہتمم اعلیٰ اور علمی و دینی حلقوں کی معروف دینی و روحانی شخصیت گزشتہ دنوں اپنے شاگردوں وعقیدتمندوں کی ایک کثیر تعداد کوسوگوار چھوڑ کر اس دار فانی سے ۱۹/اکتوبر ۲۰۱۹ءکو علالت کے بعد رحلت فرما گئے۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

یادگارِ اسلاف حضرت مولانا اسفندیار خان صاحبؒ نے پوری زندگی دین کی تبلیغ وترویج میں گزاری، یقیناً قحط الرجال کے اس دور میں علمائے اہل حق کا یوں اٹھ جانا بہت بڑا المناک سانحہ اور قرب قیامت کی علامات میں سے ایک ہے۔حضرت مولانا اسفندیار خانؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ صرف کراچی کے نہیں بلکہ عالم اسلام کے عظیم رہنماء تھے، آپ ایک بہترین مدرس، ماہنامہ''دارالخیر'' کے مدیر کے علاوہ''تنظیم سواد اعظم پاکستان'' کے بانی،سرپرست اور قائد بھی تھے، زندگی بھر درس وتدریس اور علمی،تحقیقی مشاغل اور سلسلہ تصوف کی اشاعت میں مصروف رہے۔ ان کے علمی اور ملی خدمات کا ایک طویل سلسلہ ہے والدی المکرّم شہید اسلام شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہید نور اللہ مرقدہ سے گہرے علمی ودینی وسیاسی وخاندانی مراسم تھے،شہید برادرم مولانا مفتی عثمان یار خان سے تعلق اور دوستی کی بناء پر آپ مجھ ناچیز کے ساتھ عمر بھر بہت ہی مشفقانہ انداز سے پیش آتے رہے،آپ کئی حوالوں سے میرے سرپرست اور محسن بھی تھے۔

حضرتؒ ایک صاحب بصیرت عالم تھے، ان کی تحریکات دینی اور تقریر اورتحریر سے عالم کفر لرزاں تھا،ملک کے علمی اور دینی شخصیات نے حضرتؒ کی علمی ودینی وسیاسی خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ مرحوم کیلئے جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں ختم قرآن ، درس حدیث اور جامع مسجد میں تعزیتی اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا ،برادرم مولانا حامد الحق حقانی ،اورمولانا سید یوسف شاہ صاحب حضرتؒ کی وفات پران کے اہلخانہ اور صاحبزادگان سے اظہار تعزیت کیلئے کراچی تشریف لے گئے۔حضرتؒ کی اچانک جدائی سے ملک اورخصوصاً جمعیت علمائے اسلام (س) ہمیشہ کیلئے محروم ہوگئی، یقیناً ہمارے خاندان حقانی اور ابنائے حقانیہ اس اندوہناک سانحہ پر خود کوتعزیت کا مستحق سمجھتا ہے، خداوندکریم مرحومؒ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے اورتمام پسماندگان ،صاحبزادگان خصوصاً برادرم مولانا محمد احمد اور حضرتؒ کی زوجہ محترمہ کوصبر جمیل عطا فرمائے۔امین

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب
ضبط وترتیب: مولانا حافظ سلمان الحق حقانی

اہل جنت اور اہل جہنم کون کون ہیں؟

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد فاعوذ باللّٰه من الشیطان الرجیم بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم **وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا**(الکهف:۲۸)

عن حارث بن وهب رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الا اخبرکم باهل الجنة کل ضعیف متضعف لو اقسم علی اللّٰه لابره، الا اخبرکم باهل النار؟کل عتل جواظ مستکبر(بخاری) وصدق النبی الامی الکریم ونحن علی ذلك من الشاهدین والشاکرین والحمدللّٰه رب العالمین

''اورآپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے، جو صبح وشام (یعنی علی الدوام) اپنی رب کی عبادت محض اسکی رضا جوئی کیلئے کرتے ہیں اوردنیاوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں (یعنی توجہات) ان سے ہٹنے نہ پائیں اورایسے شخص کا کہنا نہ مانے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کررکھا ہے،اوروہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اوران کا یہ حال حد سے گزرگیاہے۔''

''حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہیں نہ بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ پھرفرمایا کہ ہروہ شخص جو کمزور ہے اورلوگ بھی اسکو کمزور سمجھتے ہیں، اگروہ اللہ کا نام لے کر قسم کھالے، تو اللہ اس کی قسم کو پورا کردیتے ہیں اورکیا میں تمہیں اہل دوزخ کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ پھرفرمایا ہروہ شخص جوسخت مزاج ہو، شیخی باز ہو، تکبر کرنے والا ہو۔''

دین کی طلب رکھنے والے اور نہ رکھنے والے برابر نہیں ہوسکتے

محترم سامعین! یہ جوآیت کریمہ اورحدیث پاک میں نے آپ کے سامنے تلاوت فرمائی ،اسمیں اللہ تعالیٰ نے اوراس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکین ،فقیراورغریب کی جوحوصلہ افزائی فرمائی ہے، میں چاہتاہوں کہ اس پر کچھ لب کشائی کروں تا کہ میری اورآپ کی نظر بے بس وبے کس فقیر ومسکین ، حقیر وبے قدر نظر نہ آئے قرآن کریم میں دوجگہیں ایسی ہیں جہاں پر اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوبانہ تنبیہ فرمائی ہے ،ایک جگہ تو یہی ہے جس کی میں وضاحت کروں گا، دوسری جگہ سورۃ عبس میں آپکو متنبہ فرمایا ہے، وہ یہ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے سرداروں کے ساتھ محوگفتگو تھے، تبلیغ کرنے کا ایک نادر موقع ہاتھ آیا تھا، بڑے بڑے سردارانِ مشرکین اتفاقاً ایک جگہ جمع تھے کہ اچانک ایک نابینا صحابی رضی اللہ عنہ عبداللہ ابن ام مکتوم مجلس مبارک میں تشریف لائے ،آپ چونکہ نابینا تھے ، اسلیئے آپ کو اندازہ نہ تھا کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی اوراہم شخصیات کے ساتھ مصروف دعوت وتبلیغ ہیں،آپ نے کئی بارعرض کی ، یارسول اللہ! علمنی مما علمك الله اے اللہ کے رسول ! مجھے کچھ دین کی باتیں سکھادیجئے ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اوراپنا کلام جاری رکھا،لیکن باربار مطالبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق گزرا ، تیور مبارک چڑھائے ناراض ہوکر منہ موڑ کر بیٹھے،تواللہ تعالیٰ نے محبوبانہ تنبیہ ارشاد فرمائی عَبَسَ وَتَوَلّٰى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى وہ ایک شخص (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) چین بہ جبین ہوئے اورمنہ موڑ کر بیٹھے اورمتوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا،مقصد یہ ہے کہ خبردار کیا گیا کہ آپ کا یہ غریب نابینا صحابی بدرجہا اولیٰ ان لوگوں سے بہتر ہے،آپ کو ان کی بات پر توجہ دینا چاہئے تھا،آئندہ ایسا نہ کرنا ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اجتہادی غلطی فرما گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر کی اشدیت کو موجب اہمیت سمجھا، جیسے دو بیمار ہیں ایک کو ہیضہ اورایک کو زکام ہوتو صاحب ہیضہ کا علاج مقدم ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کی ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اشتداد مرض اس وقت موجب اہمیت ہے، جب مریض علاج کا مخالف نہ ہو، ورنہ طالب علاج ہونا موجب اقدمیت واہمیت ہوگا، گومرض خفیف ہو۔

بہرحال میں عرض کررہاتھا، کہ دوتین جگہوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کومطلع کیا گیا ہے کہ

وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (الانعام:۵۲)

اور تیسری جگہ یہی ہے جو ابھی میں نے اسی پر بات کی ،حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فقیروں اور مسکینوں کا بے حد خیال رکھا کرتے تھے ،خود دعا فرماتے تھے،

اللھم احینی مسکیناً وامتنی مسکیناً واحشرنی فی زمرۃ المساکین ......

''اے اللہ ! مجھے فقر کی زندگی میں رکھ اور موت بھی فقر کی حالت میں دے، آخرت میں بھی مجھے مساکین کیساتھ اٹھانا، فقر سے مراد ہے کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی مالدار ہو، صاحب جائیداد واولاد ہو، لیکن اس کا قلب مغرور ومتکبر نہ ہو،''

اس کے دل کے اندر مسکنت عاجزی فقر و احتیاج ہو، ورنہ حدیثوں میں ٹکراؤ آ جاتا کیونکہ ایک جگہ آپ ارشاد فرماتے ہیں الفقر فخری فقر و فاقہ میرا فخر کا سبب ہے ، احب ان اجوع یوما فاصبر واشبع یوما فاشکر للہ او کمال قال علیہ السلام میں چاہتا ہوں کہ ایک دودن بھوکا رہوں تو بھوکے رہنے پر صبر کرسکوں اور ایک دن شکم سیر رہوں، ایک دن کا کھانا کھاؤں تو اس کا شکریہ ادا کروں، مجھے یہی حالت پسند ہے، دوسری طرف آپ ؐ کا ارشاد مبارک ہے کاد الفقرء ان یکون کفراً ہوسکتا ہے کہ فقر وفاقہ کفر کا سبب بن سکے لیکن دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں آپ جو فقر ومسکنت پسند کرتے ہیں وہ قلب کی فقر و ناداری ہے، خواہ مال ودولت جتنا بھی ہو لیکن دل کی یہ حالت ہو کہ اس کے اندر غرور وتکبر ،سرکشی و سرمستی اللہ کی نعمتوں سے بے اعتنائی نہ ہو، غرباء ومساکین کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھتا ہو۔

غریب ومسکین مسلمان کا مالداروں سے پانچ سوسال پہلے جنت میں جانا

آج کل غرباء کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے ہمیں شرم آتی ہے، ان کی مجالس میں بیٹھنا موجب ذلت سمجھتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مساکین وغرباء کا لحاظ رکھا ہے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا: غریب ومسکین مسلمان مالداروں سے پانچ سوسال پہلے جنت میں جائیں گے، پچھلی جو روایت میں نے بیان فرمائی آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ الا اخبر کم باھل الجنۃ کل ضعیف متضعف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ پھر فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کمزور ہے اور لوگ بھی اس کو کمزور سمجھتے ہیں یا تو جسمانی اعتبار سے کمزور ہو یا مالی اعتبار سے کمزور ہو، یا حیثیت اور رتبے کے اعتبار سے کمزور ہو، یا بے کسی اور بے بسی کے لحاظ سے کمزور ہو یعنی دنیا والے اس کو بے حیثیت بے وقعت بے قدر تھہ

دست سمجھتے ہوں لیکن وہ کمزور شخص عنداللہ اتنا مقبول ومحبوب ہو کہ اگر وہ ذات باری تعالیٰ کی قسم کھالے کہ فلاں کام مثلاً اس طرح ہوگا یا فلاں کام یوں نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسی طرح فرما دیتے ہیں کہ اسلئے کہ وہ اللہ کا محبوب ہے اور اللہ اس کی قدر دانی فرماتے ہیں،اس لئے اس کی قسم کو پورا فرما دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی قسم کی لاج رکھتا ہے

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ دوعورتوں میں باہم جھگڑا ہوگیا ایک عورت نے دوسری عورت کا دانت توڑ دیا اور اسلام میں یہ بات طے شدہ ہے کہ العین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص یہ ایک شرعی ضابطہ ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑ دی جائے گی ،ناک کے بدلے ناک ،کان کے بدلے کان،اور دیگر قسم کے زخموں کا اسی کے مماثل بدلہ لینا ہے۔ جب یہ سزا سنائی گئی تو دانت توڑنے والی عورت کے سرپرست نے قسم کھا کر کہا والذی بعثك بالحق لا تکسر ثنیتها یارسول اللہ! میں قسم کھاتا ہوں کہ اس کا دانت نہیں ٹوٹے گا،صحابی کا مقصد نعوذ باللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر اعتراض کرنا نہیں تھا نہ یہ اعراض کرنا مقصد تھا، نہ ہی بغض وعناد تھا، بلکہ ذات باری پر بھرپور بھروسہ کرکے صحابی نے کہا کہ حالات کچھ ایسے ہوجائیں گے کہ ان شاء اللہ اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا چونکہ اس کا جذبہ نہ معاندانہ تھا نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فیصلے پر اعتراض مقصود تھا،اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کی اس بات کا برا نہیں مانا۔

معافی تلافی سے حدود وقصاص کا معاف ہونا

شریعت اسلامی میں اگر ایک طرف قانون وضابطہ یہ ہے کہ جو میں نے بیان کردیا تو دوسری طرف یہ بھی اجازت ہے کہ اگر خصم (فریقین) ایک دوسرے کو معاف کردیں یا ورثہ معاف کردیں تو پھر قصاص اور بدلہ لینے کا حق ساقط ہوجاتا ہے،اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ جس عورت کا دانت ٹوٹا تھا اس کے دل میں بات آگئی اور اس نے کہا کہ میں نے معاف کردیا اور میں بدلہ لینا نہیں چاہتی،چنانچہ اس کے معاف کرنے سے قصاص ختم ہوگیا، بدلہ لینا نہیں پڑا۔اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ اللہ کے ہاں بڑے محبوب ہوتے ہیں اور ظاہری حالت ان کی یہ ہوتی ہے کہ ان کے بال پراگندہ ہیئت ،قابل دید دیکھنے میں کمزور جو ابھی کسی کے دروازے پر جائیں تو لوگ دھکا دے کر نکال دیں ،اگر کسی کو نکاح کا پیغام دیں تو منظور نہ ہو صدقہ وخیرات ،شادی بیاہ کے موقعوں پر

کوئی ان کو نہ بلائے لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی ایسی عزت ہوتی ہے کہ اللہ پر اگر کوئی قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پورا کردیں۔

محترم حاضرین! اس حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح اشارہ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص جو دیکھنے میں پراگندہ، کمزور ہے اور لوگ بھی اسے کمزور سمجھتے ہیں لیکن ایسے تقویٰ وطہارت و پاکیزگی کے لحاظ سے اللہ کے ساتھ تعلق کے لحاظ سے، اخلاص اور بندگی کے لحاظ سے وہ اللہ کو ایسا محبوب ہے کہ اگر اللہ پر قسم کھائے تو اللہ اس کی لاج رکھتے ہوئے اس کی قسم پوری فرما دیتے ہیں، ایسے لوگ جنت والے ہیں۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الا اخبرکم بأهل النار کیا میں تم کو اہل دوزخ کے بارے میں نہ بتلاؤں کہ وہ کون لوگ ہیں؟ ان کے اوصاف کیسے ہیں؟ وہ کیسے عادات واطوار کے حامل لوگ ہیں؟ فرمایا کل عتل جواظ متکبر ہر وہ شخص ہے جو سخت مزاج ہو عتل کے معنی یہ ہیں سخت مزاج، درشت طبیعت اور کھردرا آدمی جو بات کرے تو لٹھ مارے، نرمی سے بات نہ کرے، سختی سے بات کرے، غصہ سے بات کرے اور مخاطب کو حقیر و ذلیل سمجھے، ایسے شخص کو عتل کہا جاتا ہے،

غصہ وتکبر اہل جہنم کی ایک صفت

اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ بدبخت کے بارے میں تا قیامت یہ اعلان کیا گیا ہے، عتل بعد ذالك زنیم سخت مزاج اور حرام زادہ، دوسرا لفظ جواظ ارشاد فرمایا جواظ کے معنی نک چڑھا، جس کے ماتھے پر ہر وقت بل پڑے رہتے ہوں اور معمولی قسم کے آدمی سے بات کرنا اپنی توہین سمجھتا ہوں ہر وقت اکڑتا ہو، شیخی بگھارتا ہو، تیسرا لفظ متکبر جو تکبر کرنے والا ہو، اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والا ہو اور دوسرے لوگوں کو چھوٹا، ذلیل اور کمزور سمجھنے والا ہو، ان صفات والوں کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم والے ہیں۔

اس حدیث مبارک میں کمزور اور کم رتبہ والے لوگوں کی بڑی فضیلت آئی ہے اور متکبرین سرکشوں کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جس طرح مالدار صاحب حیثیت لوگ مثلاً عبدالرحمٰن بن عوفؓ، عثمان غنیؓ بیٹھا کرتے تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں کمزور، کم رتبہ، کم حیثیت، نادار، فقیر ومسکین، خدامست صحابہ کرامؓ جیسے بلالؓ،

صہیبؓ، خبیبؓ اور سلمان فارسیؓ بھی بیٹھا کرتے تھے، اسی طرح اصحاب الصفہ جو مدرسہ نبویؐ کے سب سے پہلے شاگرد تھے، غربت کے مارے ان لوگوں کے بدن پر صرف ایک کپڑا ہوا کرتا تھا، پھٹے پرانے لباس میں نیم برہنہ یہ حضرات ننگے بھوکے تعلیمات نبویؐ حاصل کررہے تھے، حضرت ابوہریرہؓ جیسے بے بس و بے کس بھی اس مدرسے کے نیم برہنہ بھوکا پیاسا طالب علم تھے، خود فرمایا کرتے تھے کہ بھوک کے مارے اکثر میں گر پڑتا، بے ہوش ہوجاتا تو لوگ میرے پاؤں دباتے، تلوے مالش کرتے کہ میں مدہوش ہوں حالانکہ یہ مرگی کے دورے نہیں تھے بلکہ میں بھوک کے مارے بے ہوش ہوکر گر پڑتا۔ اسی طرح بے شمار فقراء وغرباء ومساکین آپ کی مجالس میں حاضر باش ہوتے۔

چنانچہ ایک مرتبہ کفار مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کے پاس آنے کو تیار ہیں آپ کی بات سننے کو تیار ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ آپ کی مجلس میں ہروقت معمولی قسم کے فاقہ مست لوگ بیٹھے رہتے ہیں اور ان کے ساتھ بیٹھے رہنا ہماری شان کے خلاف ہے، اس سے ہماری پوزیشن میں فرق آتا ہے۔ اس لئے آپ ان لوگوں کی الگ بیٹھک مقرر کریں ہمارے لئے علیحدہ مجلس منعقد کریں اس طرح کرنے میں بظاہر کوئی خرابی نہیں تھی، دعوت وتبلیغ کا بھی موقع میسر ہوتا، اصلاح احوال کی بھی قوی امید تھی لیکن بات اصول کی تھی اس لئے فوراً قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی جو میں نے شروع وعظ میں تلاوت کی۔

وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (الانعام:۵۲)

اور ان لوگوں کو بہت دور کیجئے جو اپنے پروردگار کو صبح وشام اس کی رضا کا قصد کرتے ہوئے پکارتے ہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق کی طلب لے کر آنا چاہتے ہو تو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا ہوگا، ورنہ اللہ تم سے بے نیاز ہے اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بے نیاز ہے، اس لئے تمہارے لئے الگ مجلس مقرر نہیں کی جائے گی۔''

وقت ختم ہوا چاہتا ہے اس لئے اگر توفیق رہی تو آئندہ جمعہ اس موضوع پر بات کروں گا

واخر داعوانا ان الحمد ورب العالمين

(قسط ۷۴) مرتب: مولانا حافظ عرفان الحق اظہار حقانی

استاد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ذاتی ڈائری

۱۹۸۷ء۔۱۹۸۸ء کی ڈائری

عم محترم حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ آٹھ نو سال کی نوعمری سے معمولات کی ڈائری لکھنے کے عادی تھے۔ ان ڈائریوں میں آپ اپنے ذاتی اور عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے معمولات شب و روز اور اسفار کے علاوہ اعزّہ و اقارب ، اہل محلّہ و گردوپیش اورملکی و بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے احوال و واقعات درج فرماتے، آپکی اولین ڈائری ۱۹۴۹ء کی لکھی ہوئی ہے ۔جس سے آپ کا ذوق اور علمی شغف بچپن سے عیاں ہوتا ہے۔ احقر نے جب ان ڈائریوں پر سرسری نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ جابجا دوران مطالعہ کوئی عجیب واقعہ،تحقیقی عبارت،علمی لطیفہ،مطلب خیز شعر، ادبی نکتہ، اور تاریخی عجوبہ آپ نے دیکھا تو اسے ڈائری میں محفوظ کرلیا۔اس پر دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ مطالعہ کے اس نچوڑ اور سینکڑوں رسائل اور ہزارہا صفحات کے عطر کشید کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے جس سے آئندہ آنے والی نسلیں اور اسیرانِ ذوقِ مطالعہ استفادہ کرسکیں۔تاہم یہ واضح رہے کہ نہ تو یہ مستقل کوئی تالیف ہے اور نہ ہی شائع کرنے کے خیال سے اسے مرتب کیا گیا ہے ۔اسلئے ان میں اسلوب کی یکسانیت اور موضوعاتی ربط پایا جانا ضروری نہیں۔یاد رہے کہ یہ ڈائریاں ایک طرف حضرت مولانا عبدالحقؒ اور شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہید کے احوال وسوانح کے لئے بھی ایک بنیادی واہم ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں تو دوسری طرف دارالعلوم حقانیہ کی تاریخ اور شب و روز بھی اس میں کافی حد تک محفوظ ہو چکے ہیں...... (مرتب)

شریعت بل کی منظوری کیلئے پارلیمنٹ کے اندرونی گیٹ پرعلماء کا تاریخی احتجاجی مظاہرہ

۷راپریل کو جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی اورچاروں صوبوں کے رہنماؤں ،اکابرعلماء اورمشائخ نے قائد جمعیۃ مولانا سمیع الحق کی قیادت میں صدر رضاء الحق کے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کے موقع پر پارلیمنٹ کے اندرونی گیٹ پرشریعت بل کے حق میں تقریباً تین گھنٹے تک کامیاب احتجاجی مظاہرہ کیا،مظاہرین ، صدر ، وزیراعظم ، ارکان پارلیمنٹ ، دنیا بھر کے ممالک کے سفراء اور مندوبین کی اجلاس کیلئے آمد اوراجلاس کے اختتام پر واپسی پر جاتے ہوئے شریعت بل کے حق میں زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا،قائد جمعیت مولانا سمیع الحق (شہید رحمہ اللہ) نے بعض

مرکزی وزراء ، خود وزیراعظم جونیجو اورصدر ضیاء الحق کو بھی کچھ دیر روک کر انہیں پوری قوم کے جذبات اور متفقہ مطالبے اور فوری نفاذ شریعت'' سے آگاہ کیا،صدر، وزیراعظم اور مولانا سمیع الحق کے درمیان اس موقع پر جو گفتگو ہوئی اس کے آخر پر مولانا سمیع الحق کو کہنا پڑا۔

جناب ! اب یہ مسئلہ تقریروں سے حل نہیں ہوگا، اب لوگ پاکستان میں عملاً نفاذ شریعت کا مطالبہ کرتے ہیں، جب بات مزید آگے بڑھی تو مولانا سمیع الحق نے کہا:

جناب : آپ ہمیں قتل کردیں ، روند ڈالیں یا گڑھے میں ڈال دیں، جو کچھ بھی کرنا چاہیں کرلیں، مگر عملاً نفاذ شریعت کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے ، (نوائے وقت راولپنڈی ۱۰؍اپریل ۱۹۸۸ء)

جرأت وبیباکی کی تاریخ

اسی گفتگو کے دوران مولانا سمیع الحق نے ''شریعت بل منظور کرو ورنہ کرسی چھوڑ دو''نفاذِ شریعت سے گریز کی راہ اختیار کرکے خدا کے غضب کو دعوت نہ دو''''شریعت نافذ کرو منافقت چھوڑ دو'' کے نعروں پر مشتمل کتبات کا ایک ہار بھی صدر ضیاء الحق کے گلے میں ڈال کر حق گوئی اور بے باکی اور جرأت وشجاعت کا ایک تاریخی رکارڈ قائم کیا۔

ہم علماء کے اس تاریخی احتجاجی مظاہرے ، سلطان جائر کے سامنے مولانا سمیع الحق کے برملا اظہار حق کو خداتعالیٰ کی طرف سے ارباب حکومت کیلئے ایک ڈھیل اورمہلت ایک انذار وانتباہ اوراتمام حجت سمجھتے ہیں۔

مولانا سمیع الحق کا ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۸ء اپریل تک شریعت نفاذ کی جدوجہد

الحمد للہ کہ علمائے حق کے مساعی جمیلہ اورتدبیر وحکمت سے جس تحریک کا آغاز ۸۵ء کے الیکشن میں حصہ لینے ، اسمبلی میں اہل علم اوردینی قوتوں کی نمائندگی کرنے اورفوجی جرنیلوں کے ایوان میں شریعت بل پیش کرنے کی صورت میں آذان حق کہنے سے ہوا تھا، وہی تحریک دینی قوتوں کے اتحاد شریعت محاذ کے قیام ، افغان مجاہدین کی حمایت ، جمعیۃ علماء اسلام کا ہفتہ جہاد افغانستان ، خمینی ازم کے خلاف سنی محاذ کے قیام ،۴؍مارچ کو لاہور میں تاریخی نظام شریعت کانفرنس ، گول میز کانفرنس میں مسئلہ افغانستان پرٹھوس مؤقف اور باہر سے تمام دینی قوتوں کا اس کی حمایت میں متفقہ فیصلہ،شریعت پر وزیر اعظم کے چیلنج کا جواب ، معراج محمد خان بزنجو ، پیلیجو اورفتیاب جیسے لادینی قوتوں کا تعاقب ، جینوا معاہدہ پر دستخط کرنے کے قریبی مرحلہ کے وقت افغان قیادت کو اسلام آباد ہوٹل میں مولانا سمیع الحق کا

استقبالیہ اور متفقہ موقف کے اعلان کے مراحل سے گذر کر اب آخر میں ۷/اپریل کو علماء کے مظاہرے میں حکمرانوں کے گریباں میں ہاتھ ڈالنے اوران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نفاذ شریعت کیلئے اپنا سب کچھ قربان کردینے کے عزائم کے اظہار کے مراحل تک آن پہنچی۔ (وقائع نگار حضرات)

اوجڑی کیمپ دھماکہ دوسری طرف رقص وسرور اور طاؤس رباب کی محفلیں

۱۰/اپریل کو صبح کو دارالحکومت روالپنڈی میں اس وقت قیامت صغریٰ برپا ہوگئی، جب ڈیوٹی پر تعینات افسروں کی بے احتیاطی یا کسی غیر ملکی بڑے ہاتھ کی تخریب کاری کے نتیجے میں اوجڑی کیمپ راولپنڈی میں دھماکہ ہوا، بم تھے کہ ابل پڑے، مکانات، محلات، کھیل کود کے میدان، بازار سینما گھر غرض اسلام آباد اور روالپنڈی میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی، جو بموں کے تباہ کن اور ہولناک مناظر سے محفوظ رہی ہو، ایک سو جانیں لقمہ اجل بنیں اور ایک ہزار افراد زخمی ومجروح ہوئے اور سینکڑوں افراد لولے لنگڑے اور اپاہج ہوگئے، کئی خاندان اجڑ گئے اور سینکڑوں بچے یتیم رہ گئے۔

دوسری طرف ان ہی دنوں میں ایک بھارتی اداکار دلیپ کمار کی پاکستان آمد، سرکاری سطح پر اس کی زبردست پذیرائی، وزرائے اعلیٰ، مرکزی وزراء وزیراعظم اور صدر پاکستان کا استقبالیوں اور تقاریب میں اس کے گرد گھومنا اور تیسرا شاخسانہ یہ کہ روالپنڈی میں دھماکے والی شب، رات گئے تک دارالحکومت کے ذمہ دار افسروں اور مقامی انتظامیہ کے سربراہوں تک کا لیاقت جمنازیم میں راگ رنگ رقص وسرورطاؤس ورباب کی محفلیں برپا کرنا جس میں ملک بھر کے فنکاروں ایکٹروں اور ڈانسروں نے لہو ولعب کا ریکارڈ قائم کیا، عریانی وبے حیائی کو نچوایا گیا، غلط روی اور جنسی انگیخت کی حوصلہ افزائی کی گئی، اقتدار کے ذمہ دار افراد طرب ونشاط اور جوش مسرت میں دھنوں کی آہنگ میں سر ہلاتے اور تالیاں پیٹتے رہے۔

مولانا سمیع الحق کا ایوان بالا میں اوجڑی کیمپ کے حوالے سے تحریک التواپر خطاب

اس موقع پر جمعیۃ علماء اسلام کے سیکرٹری جنرل مولانا سمیع الحق نے ایوان بالا سینٹ میں اپنی تحریک التواپر جو خطاب فرمایا، اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

’’یہ حادثہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو مسلسل دعوت دیتے رہنے کا نتیجہ ہے اربابِ اقتدار نے ملک کا رخ غلط سمت پر موڑ دیا ہے، پوری قوم کو رقص وسرور اور فن کاروں اور کھلاڑیوں کے لہو ولعب میں مصروف کردیا ہے جس دن یہ حادثہ رونما ہوا اس رات لیاقت جمنازیم میں ملک بھر کے فن کاروں

ایکٹروں اورڈانسروں کی محفل طاؤس درباب برپاتھی ،مقامی انتظامیہ کے سربراہ تک اس میں محو تھے، یہاں تک کہ ہسپتالوں میں پوسٹ مارٹم کئے بغیر لاش اٹھوانے کا بندوبست بھی نہیں تھا، حیرت ہوتی ہے،کہ بھارت سے آئے ہوئے ایک اداکارکوایسا ہیرو بنادیا گیاہے، گویا کہ وہ کوئی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ طارق بن زیاد رحمہ اللہ ہو، اس نے اسلام کا کوئی معرکہ سرکیاہو، یہاں تک کہ ملک کا سربراہ اوروزیراعظم بھی استقبالوں اورتقاریب میں اس کے گرد گھوم پھررہے ہیں اورتعریفوں کے پل باندھے جارہے ہیں یہ صورت حال پوری قوم کیلئے شرم کا باعث ہے، میں ایوان کےمعززارکان سے پوچھتاہوں کہ بھارت میں راجیوگاندھی ہمارے کسی بھی فن کارکی ایسی پذیرائی کرسکتاہے،راولپنڈی کی اس قیامت صغریٰ میں تخریب کاری کے امکانات کا بھی جائزہ لینا چاہئے ، کیونکہ اس وقت عالمی طاقتیں ہم پر دباؤ ڈال کر مسئلہ افغانستان میں اپنی مرضی کا فیصلہ منوانا چاہتی ہیں ، ہمیں ہرگز نہیں جھکنا چاہئے،علاوہ ازیں ملک بھرمیں آبادی کے مقامات اورسرحد میں نوشہرہ ، کوہاٹ ،حیات آباد، پشاوراور مردان وغیرہ کی گنجان آبادیوں سے بھی اسلحہ ڈپوفوراً منتقل کرنے چاہئیں،کہوٹہ کے ایٹمی منصوبے کے تحفظ پر بھرپورتوجہ دینی چاہئے، نیز راولپنڈی میں اس اندوہناک واقعہ کےتحقیقات کسی فوجی افسر سے نہیں بلکہ سپریم کورٹ کے ججوں پر مشتمل ٹریبونل کے ذریعہ کرائی جائیں۔

اگرخدانخواستہ اس قدرتنبیہات اورغیبی ہدایات اورقدرت کے واضح اشارات کے باوجود بھی ہم بحیثیت ایک مسلمان قوم اورایک آزاداسلامی ریاست کے نہ ابھرسکے اورتوبہ وانابت الی اللہ عمل صالح اورنظام امن وسلامتی اورنفاذِ شریعت کی طرف آگے نہ بڑھ سکے ،تواندیشہ ہے کہ دنیا میں پھرایک مرتبہ ایک اوراسپین اورسمرقنداورتاشقند وبخارااورسقوطِ ڈھاکہ وغیرہ کی تاریخ دہرائی جائے۔

جنیوامعاہدہ کےنازک مرحلہ پرمولاناسمیع الحق کاافغانستان کی ۷جماعتوں کےسربراہوں کواستقبالیہ

۶ رسال کے طویل ترین اورصبرآزما مذاکرات کے بعد بالآخر۱۴راپریل بروز جمعرات جنیوا میں ہونے والے معاہدہ پر پاکستان ، افغانستان ، روس اورامریکہ کے نمائندوں نے دستخط کردیئے ، معاہدہ کیاہے ؟اس کے نتائج واثرات کیاہوں گے ،افغان مجاہدین کوان کی تاریخی اورعظیم قربانیوں کا بدلہ کیاملے گا، روس نے کیا کھویااور پاکستان کے مستقبل اورسالمیت کی حیثیت کیارہی اورمعاہدہ کے سلسلہ میں افغان اتحاد کے رہنماؤں کا ردعمل کیاہے ؟اس سلسلہ کی تفصیلات نشریاتی اداروں اور اخبارات میں زیربحث ہیں۔

مرکزعلم دارالعلوم حقانیہ اوراس کے فضلاء اورجمعیۃ علماء اسلام کے کارکن چونکہ افغانستان

کے میدان کارزار میں عملاً شریک رہے، جہاد افغانستان کے روز اول سے قائد شریعت حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق دامت برکاتہم نے اس کے بھر پور حمایت اور عملا نصرت وتعاون کا کوئی موقع خالی نہیں چھوڑا۔

افغان قیادت کے اتحاد میں دیگر بہت سے اسباب ومحرکات کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث کے مساعی کو بھی بڑا دخل ہے، لہٰذا جنیوا معاہدے کے نازک اورقریب ترین مرحلہ پر بھی قائد شریعت حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم اورقائد جمعیۃ مولانا سمیع الحق نے احساس مسئولیت دینی جذبہ اورآزاد افغانستان کے قیام واستحکام کی خاطر پوری عالمی برادری پر افغانستان کے برسرپیکار مجاہدین کے ٹھوس موقف کو واشگاف کرنا اور پاکستان کے غیور مسلمانوں کے تمام تر دینی قوتوں کی نمائندہ جماعت جمعیۃ علماء اسلام کی طرف سے اس کی بھر پور حمایت کا اظہار ضرور سمجھا، چنانچہ افغان مجاہدین کی سات بڑی جماعتوں کے سربراہوں کو۱۲/اپریل بروز منگل ۳ بجے سہ پہر اسلام آباد ہوٹل میں استقبالیہ دیا گیا، جس میں حزب اسلامی افغانستان کے امیر مولوی محمد یونس خالص ہفت گانہ اتحاد کے چیئر مین انجینئر گلبدین حکمت، حرکت انقلاب اسلامی کے امیر استاد وعبدرب الرسول سیاف، افغانستان کے نامزد صدر انجینئر احمد شاہ، جمعیت اسلامی افغانستان کے امیر استاد برہان الدین مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ عبداللہ الزائد، افغان رہنما مولانا نصراللہ منصور اور پیر محمد گیلانی کے مشیر فاروق اعظم کے علاوہ افغانستان کے میدان جنگ کی کئی ایک جرنیلوں، سینٹ اورقومی اسمبلی کے ممبروں، غیرملکی سفارتی نمائندوں، علماء سکالروں اورممتاز شہریوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی، افغان قائدین نے مسئلہ افغانستان میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق، مرکز علم دارالعلوم حقانیہ، کاروان حق جمعیۃ علماء اسلام اور قائد جمعیت مولانا سمیع الحق کے افغانستان کی آزادی اور مستقبل کے آزاد، غیر جانب دار، اسلامی اور مستحکم افغانستان کے قیام واستحکام کے سلسلہ میں گراں قدر مساعی کو انقلاب آفرین، مؤثر اورنتیجہ خیز قرار دیا۔

مولانا سمیع الحق نے اپنی تقریر میں مجاہدین کو آٹھ سالہ قربانیوں کو عظیم جہاد، پاکستان کی سالمیت اوردفاع کی جنگ، اسلام کے وقار، عالم اسلام کی عظمت اوراحیائے ملت کا تاریخی کارنامہ قرار دیا، افغان قائدین نے ایسا معاہدہ جس میں مجاہدین کی نمائندگی نہ ہو، جس میں ۵۵ لاکھ مہاجرین کی باعزت واپسی، روسی فوجوں کا انخلاء اور مستقبل کے آزاد اسلامی افغانستان کے تشخص کی ضمانت نہ ہو، متفقہ طور پر مسترد کردیا، مگر سب کچھ کے باوجود معاہدہ ہوگیا۔

جنیوا معاہدہ کے ردعمل میں ملک گیر جہاد کانفرنسوں کا اعلان

قائد جمعیۃ مولانا سمیع الحق نے ۱۵ر اپریل بروز جمعہ جمعیۃ علماء اسلام کے زیر اہتمام اسلام آباد کی جہاد کانفرنس میں جنیوا معاہدہ کو یکسر مسترد کردیا، کانفرنس کی صدارت امیر مرکز یہ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی نے کی ، انہوں نے کہا کہ جمعیۃ علماء اسلام پائیدار امن اور صلح چاہتی ہے ،جبکہ یہ معاہدہ افغانستان میں نہ ختم ہونے والی خانہ جنگی اورافغانستان کوٹکڑے کردینے کا پیش خیمہ ہے ، اس سے افغان مجاہدین اورمہاجرین کی مشکلات ہرگز ختم نہ ہوں گے، پاکستان نے اپنے اصولی اورسچائی پر مبنی موقف سے انحراف کرکے دنیا کے اقوام میں حاصل کردہ نیک نامی کو بدنامی سے تبدیل کردیا ہے، افغان قوم کی عظیم قربانیوں اور پاکستان کی دفاع کی جنگ کے نتیجہ میں جینوا معاہدہ کی صورت میں انہیں بے بس کردینا تاریخ اورعظیم جہاد سے غداری کے مترادف ہے ، چنانچہ جمعیۃ علماء اسلام ۲۹ر اپریل سے پورے ملک میں اس معاہدہ کے خلاف یوم سیاہ منائے گی اوررمضان کے بعد پورے ملک میں جہادی کانفرنسیں منعقد کرے گی ۔ (۱۶ر اپریل روزنامہ مشرق)

مولانا سمیع الحق کا پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب

معاہدہ جنیوا کیا کھویا، کیا پایا؟ قائد جمعیت مولانا سمیع الحق سیکرٹری جنرل جمعیۃ علماء اسلام

حضرت مولانا سمیع الحق نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں ۱۸ر اپریل ۸۸ء کوجنیوا معاہدہ کے بارے میں اظہار خیال کیا، اس خطاب کا متن حسب ذیل ہے ۔

جناب چیئرمین! جنیوا معاہدہ پر ممبران اظہار خیال کررہے ہیں اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ یہ کسی سیاسی اورگروہی بنیادوں پر مبنی نہیں ہے اور ہرممبر کو حق ہے کہ وہ ملک وملت کی خیرخواہی اوراستحکام کے پیشِ نظر اس معاملہ پر اظہار کرے ، خواہ وہ حزبِ اختلاف سے تعلق رکھتا ہو، یا حزب اقتدار سے ملک کی سلامتی کا مسئلہ ان تمام گروہی تقسیموں سے بالاتر ہوتا ہے، جینوا معاہدہ کیلئے ایک طویل جدوجہد اورمشق اورطویل دور مذاکرات پر گذرا، اوراس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ بدقسمتی سے جو عظیم مشکل اوربحرانی مسئلہ افغانستان کی شکل میں ہمارے سامنے پیش آیا ہے، اس کا کیسے خاتمہ کیا جائے اور جنگ کا کیسے خاتمہ ہو اورافغانستان میں امن اورسلامتی کیسے پیدا کی جائے اورتیس، پینتیس لاکھ مہاجرین جو انتہائی مصیبتوں میں دربدر پھررہے ہیں، وہ کیسے وہاں واپس چلے جائیں؟ یہ تین چار اصل مقاصد تھے، جنیوا معاہدہ کیلئے ،جس کیلئے اتنی طویل جدوجہد پاکستان کے وزراء خارجہ نے بھی کی اور باہر کی طاقتوں نے

بھی ،آج اگر یہ مقاصد اس معاہدہ سے حاصل ہوتے تو ہم بلاشبہ اس کی تحسین اور خیر مقدم کرتے لیکن اگر واقعات کی دنیا میں اور حقائق کی دنیا میں ان چار باتوں میں کوئی بھی مقصد ہمیں حاصل نہیں ہوسکتا تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ خواہ مخواہ ایک ایسی محنت کی گئی اور جدو جہد میں اتنا وقت گذارا گیا جس سے پاکستان کو کم از کم کچھ حاصل نہ ہوسکا۔

پاکستان نے مداخلت کے جرم کا اعتراف کیا

ہمیں پہلے تو پاکستان کے نقطۂ نظر سے دیکھنا ہے ،کہ ہم نے اس معاہدہ سے کیا کھویا اور کیا پایا؟ بعد میں ہمیں دیکھنا ہے کہ افغانستان کے مجاہدین کو کیا ملا، یا کیا نہیں ملا؟ وہاں امن قائم ہو جائے گا یا نہیں؟ سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان نے بلاوجہ (جس جرم میں شریک نہیں تھا) اس سارے جرم کو اپنے سر پر لے لیا، اور اس نے عالمی پلیٹ فارم پر اعتراف کیا کہ یہ مداخلت کرر ہا ہوں ، جبکہ ہم نے کبھی افغانستان کے مسئلہ میں مداخلت نہیں کی ، مداخلت ایک بڑی سُپر طاقت نے کی اور اس نے ظلم وبربریت کا بازار گرم کر دیا، لاکھوں انسانوں کو قتل کیا اور پورے افغانستان کو ایک کھنڈر میں تبدیل کر دیا، پچاس لاکھ افراد کو وہاں سے اٹھا کر دنیا بھر میں بے یارومددگار پھینک دیا، اس عظیم جابر اور ظالم قوت نے مداخلت کی اور اس کے نتیجے میں تیس پینتیس لاکھ افراد پاکستان آئے اور پاکستان نے ایمان کے جذبہ سے ، انصار کے جذبہ سے ان کو پناہ دی کہ کوئی اور راستہ ہی نہیں تھا اور روس چیختا رہا، آٹھ سال سے کہ پاکستان مداخلت کرر ہا ہے ،اور دنیا بھر کے غیر جانبدار اقوام متحدہ ، اسلامی تنظیم وہ اس الزام کی تردید کرتی رہیں اور کہتی رہیں، کہ مداخلت روس کرر ہا ہے ، پاکستان کا اس مداخلت میں کوئی ہاتھ نہیں ، اس معاہدے کا آغاز ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے ، کہ ڈیموکریٹک ری پبلک آف افغانستان اور اسلامک ری پبلک آف پاکستان ، آخر تک یہ سلسلہ چل رہا ہے، کہ عدم مداخلت کے اصول کی مکمل پابندی انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور سیاسی ، اقتصادی ، ثقافتی اور سماجی نظام ، کسی قسم کی بیرونی مداخلت ، دخل اندازی ، تخریب ، دباؤ یا دھمکی کے بغیر آزادی سے طے کرنا چاہئے اور آرٹیکل ۳،۴ کے بعد اس سے واضح طور پر ہے ، کہ ڈیموکریٹک ری پبلک آف افغانستان اور اسلامی ری پبلک آف افغانستان کے مابین باہمی تعلقات کے اصولوں بالخصوص عدم مداخلت پر دوطرفہ سمجھوتہ ، یعنی یہ ہم نے دستخط کر کے ثابت کر دیا کہ واقعی ہم مداخلت کرر ہے ہیں۔

اصل قاتل اور جارح روس کو ثالث بنادیا

اور اصل مجرم اور ظالم جو تھا اس کی حیثیت اس معاہدے میں کیا کر دی گئی ،اس کو ایک

داروغہ بنادیا گیا،اس کو ایک ضامن کی حیثیت دے دی گئی ،اس کو ایک ثالث کی حیثیت دے دی گئی کیونکہ اسی پیراگراف میں آگے ہیں کہ ''یونین آف سوویت سوشلسٹ ری پبلک اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کی طرف سے بین الاقوامی ضمانتوں کا اعلان'' معاہدے میں جہاں بھی روس کا ذکر ہے اس کی حیثیت ایک ضامن کی ہے، ضامن ہرگز ایک فریق نہیں ہوتا ، ضامن ایک ثالث ہوتا ہے،تو وہی قاتل تھا،اسی کو منصف ٹھہرالیا گیا، روس تو یہی چیختا تھا، کہ یہ ساری مصیبت پاکستان کی اٹھائی ہوئی ہے اور روس اورافغانستان کے میڈیا میں اس کو افغانستان کی اردگرد کی صورتحال سے تعبیر کیا جاتا رہا کہ یہ کوئی بین الاقوامی مسئلہ نہیں ہے ، یہ افغانستان اور پاکستان دو پڑوسیوں کی جنگ ہے اورمریکی کی شرارت سے پاکستان بار بار مداخلت کررہاہے،اور افغانستان کے اردگرد کی صورت حال بگڑی ہوئی ہے ، اورروس بالکل ایک تماشائی ہے ، الغرض ہم نے اس معاہدے پر دستخط کرکے یہ سارا الزام واضح طور پراپنے سر پر لے لیا ہے، کہ ہم مداخلت کرتے رہے، جبکہ آٹھ سال تک ہم نے ظلم کے خلاف مظلوم کی حمایت کی، آزادی کیلئے لڑنے والوں کی نصرت کی ، مگر اب سارے کئے کرائے پر ہم نے اس معاہدے کے ذریعے پانی پھیر دیا۔

جناب چیئر مین! یہ معاہدہ کابل اور اسلام آباد کے درمیان نہیں ہونا چاہئے تھا، یہ معاہدہ مجاہدین اور روس کے درمیان ہونا چاہئے تھا، کابل کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ، وہ تو روس کی کٹھ پتلی حکومت تھی اور روس کی حکومت کا کارندے تھے، وہ تو ماسکو کی ایک برانچ تھی ، اصل تو مجاہدین تھے، ہم نے بلاوجہ اسلام آباد کو اس میں ملوث کردیا، کیا اسلام آباد نے مداخلت کی تھی کہ آج اس کو روکا جارہاہے، معاہدہ میں تو واضح طور پر ایک بھی پیرا ایسا نہیں ہے کہ روس ہرگز مداخلت نہیں کرے گا، حالانکہ اصولی طور پر ہونا یہ چاہئے تھا کہ عدم مداخلت کی ضمانت روس سے لی جاتی ،تو روس کو تو حق دیدیا گیا کہ آپ اپنی کٹھ پتلی حکومت کی ہرطرح کی مدد کرسکتے ہیں یعنی اس کو تو مداخلت کا باقاعدہ تحفظ دیا گیا کہ آپ جب بھی چاہیں، روس جس کے ہزاروں میل کی سرحدات افغانستان کے ساتھ ہیں، بلاروک ٹوک نجیب حکومت کی ہر وقت مدد کرسکتے ہیں،یعنی اس کو تو مداخلت کی آزادی اور ہمارے لئے ہر قسم کی مداخلت پر پابندی ہے کیونکہ مداخلت ہم کرتے ہیں، حالانکہ ہم مداخلت نہیں کرتے تھے بلکہ مجاہدین اپنی آزادی اوردفاع کی جنگ لڑرہے تھے تو ہم نے ایک بہت بڑی رسوائی اور بدنامی بین الاقوامی پلیٹ فارم پرمول لی ہے اورہم نے اس طرح خود یہ اعتراف کرلیاہے،اس جرم کا جس کے ہم مجرم نہیں ہیں، گویا ہم اب تک مداخلت کررہے تھے اوراب مداخلت سے باز آجائیں گےتو پھرامن وامان قائم ہوجائیگا۔

اصل فریق مجاہدین سے وعدہ خلافی

دوسری بڑی غلطی اس معاہدے میں یہ ہے کہ ہم اس کے فریق نہیں تھے، مجاہدین اصل فریق تھے، مجاہدین نے ایک عظیم جنگ لڑی ہے تاریخ کی بے مثال قربانی دی ہے، اورانہوں نے حقیقت میں جنگ لڑی ہے اور یہ جہاد اوردفاع پاکستان کا مسئلہ تھا، ہم نے مذاکرات کے دوران چار سال سے بار بار یہ اعلانات کئے، صدرِمملکت نے بھی اور جناب وزیراعظم صاحب نے بھی اور وزیرخارجہ صاحب نے بھی بار بار یہ اعلانات کئے اور وعدے کئے، کہ ہم معاہدے کو آخری شکل تب دیں گے، جب مجاہدین کو ہم اعتماد میں لے لیں گے،اورمجاہدین کی مرضی اوران کے اعتماد کے بغیر کسی معاہدے پر آخری دستخط نہیں کریں گے تو کیا ہم ان وعدوں پر پورے اترے اور کیا ہم نے واقعی مجاہدین کو اعتماد میں لے لیا، اورہم نے مجاہدین کی خوشنودی حاصل کرلی، حالانکہ وہ چیخ رہے ہیں،اورتڑپ رہے ہیں، رورہے ہیں کہ ہماری آٹھ سال کی جنگ اورروس نے ہم پر جوظلم وستم کیا تھا، اس سے تو ہم نے نجات حاصل کرلی لیکن یہ جو ہمارے ساتھ ٹریجڈی ہوئی ہے اور یہ جوظلم ہمارے ساتھ ہوا ہے، یہ روس سے بڑھ کر ہمارے اوپرایک بڑا حادثہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے اب بھی مایوس نہیں ہیں، لیکن ہم نے ان وعدوں کواورعہد و پیمان کونظرانداز کردیا ہے کہ ہم مجاہدین کی مرضی کے بغیر ان کواعتماد میں لئے بغیر کسی معاہدے پر دستخط نہیں کرینگے۔

روس اپنے ایجنٹوں کی مدد کرتا رہے گا مگرمجاہدین بے دست وپا کردیئے گئے

تیسری بات یہ ہے کہ معاہدے کی رو سے کہا گیا ہے کہ امریکہ اورروس دونوں اپنے اپنے حلیفوں کی مدد کرسکتے ہیں، بظاہرخفیہ اوراصل باتیں اورہوں گے، مگرروس کیلئے مدد کا دروازہ تو بالکل کھلا ہوا ہے، اس کی سینکڑوں اور ہزاروں میل سرحدات براہ راست افغانستان کے ساتھ ملی ہوئی ہیں وہ جس وقت بھی چاہے اپنی کٹھ پتلی گورنمنٹ کی مدد کرسکتا ہے، لیکن افغانستان کے ساتھ امریکہ کی کوئی سرحد نہیں ملتی ہے، امریکہ اگرمدد بھی کرے تو کسی ذریعہ سے کرے گا، کیا وہ آسمان سے ہیلی کاپٹر بھیج کر افغانستان میں مجاہدین کی مدد کرے گا؟ جبکہ ہمارے ہاتھ پاؤں مکمل باندھ لئے گئے ہیں اور یہاں تک معاہدہ میں کہا گیا ہے، کہ کسی بھی قسم کے دہشت پسندوں کے گروہوں توڑ پھوڑ کرنے والوں یا تخریب کاری کرنے والے ایجنٹوں کی ہرقسم کی امداد روکی جائے گی یاانہیں برداشت نہیں کیا جائے گا، یاانہیں دوسرے فریق کے خلاف استعمال نہیں کیا جائیگا، (آرٹیکل نمبر۲ دفعہ۱۴)

امریکہ کہاں سے مدد کرے گا؟

یہ صورت حال ہے کہ جب بالکل ہمارے ہاتھ اور پاؤں بندھے ہوں گے تو امریکہ کہاں سے مدد کرے گا؟ اگر ہم فرض کرلیں گے کہ امریکہ پاکستان ہی کے ذریعے مدد کرے گا، تو گویا ہم نے پہلے سے یہ طے کرلیا کہ خفیہ طور پر ہم اس معاہدے کی خلاف ورزی کریں گے کسی معاہدے پر کوئی شخص ہم نے ایسا نہیں دیکھا کہ دستخط کرتے وقت اس کی نیت یہ ہوا کہ بظاہر تو میں دستخط کرتا ہوں، لیکن اندر سے میں اس کی مخالفت کروں گا، تو یہ ایک حیرت انگیز بات بن گئی ہے، پھر جب ہم نے یہ معاہدہ کرلیا، اب ہم خفیہ مدد کریں یا نہ کریں لیکن روس واویلا مچائے گا، اور دنیا بھر میں چیخے گا کہ حکومت پاکستان مداخلت کررہی ہے اور وہ معاہدے کی خلاف ورزی کررہی ہے اور اسی کو بہانہ بنا کر خدانخواستہ ہم پر چڑھ دوڑنے کا جواز بنا سکے گا، وہ دنیا کو ثبوت کے ساتھ نہیں باور کرا سکتا تھا،، اب تو وہ ثبوت کے ساتھ کہے گا کہ میں بے گناہوں اور مجھے حق ہے کہ میں پاکستان کو چاہوں سزا دے دوں، تو پاکستان کو ہم نے ایسے خطرے میں ڈال دیا ہے اور اگر ہم اس خطرے سے الگ رہیں تو پھر جب امریکہ کی مدد وہاں بالکل نہیں پہنچ سکے گی اور روس کی حکومت کی مدد جاری رہے گی تو کیا ہم کٹھ پتلی حکومت سے آزادی حاصل کرسکیں گے؟ اور جب تک آزادی حاصل نہیں ہوگی، تو کیا وہاں امن قائم ہوسکے گا،؟ کیا وہاں خانہ جنگی ختم ہوجائے گی؟ اس معاہدے کی رو سے نہ تو خانہ جنگی ختم ہوگی نہ مہاجرین واپس جاسکیں گے نہ اس کے شر اور فساد سے پاکستان محفوظ سکے گا۔

ہم نے روس کو افغانستان میں بیٹھے رہنے کا تحفظ دے دیا

زیادہ سے زیادہ روسی افواج واپس چلی جائیں گی، میں سمجھتا ہوں، کہ روسی افواج کو ہم نے تحفظ دے دیا ہے، روسی افواج نے اعلان کیا تھا، کہ ہم ہر حالت میں واپس جائیں گے، معاہدہ ہو یا نہ ہو، تو یہ ایک مثبت چیز جو بظاہر ہمیں معاہدہ میں نظر آرہی ہے وہ روسی افواج کا انخلاء ہے، تو اس معاہدے کا اس انخلاء میں کوئی رول نہیں ہے، ہم معاہدہ نہ بھی کرتے تو بھی روسی افواج واپس جائیں مگر الٹا نقصان یہ ہوا کہ اقوام متحدہ نے اسلامی تنظیم نے اور تمام عالمی غیر جانبدار اور حریت پسند اقوام نے مطالبہ کیا تھا کہ غیر مشروط طور پر روس واپس چلا جائے اور بلا تاخیر چلا جائے، ہم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ ہم نے روس کو ۹ مہینے کی مہلت دے دی، اوران کو تحفظ دے دیا، کہ ۹ مہینے تک تو آپ وہاں بیٹھے رہیں گے، روسی فوج کے انخلاء کیلئے ۹ مہینے کی مدت کی کوئی فوجی ضرورت نہیں تھی، وہ ایک

ہفتے کے اندر اندر وہاں سے فوج نکال سکتا ہے، یہ ۹ مہینے کی مدت اس نے سیاسی ضرورتوں کے پیش نظر ہم سے حاصل کی، اورنو مہینے میں وہ تمام سیاسی مفادات اورتحفظات حاصل کرکے وہاں سے جائے گا، مجاہدین چاہتے تو اسے ایک مہینے میں بھی جانے پر مجبور کرسکتے تھے، ایک ہفتے میں بھی جانے پر مجبور کرسکتے تھے، لیکن آپ نے سب کے ہاتھ باندھ لئے کہ نہیں ۹ مہینے تو بالکل ان کو رہنا ہے، خواہ وہ شکست کھا چکے ہوں، خواہ وہ ذلیل ہوچکے ہوں، لیکن ۹ مہینے بہر حال انہوں نے اپنے مقاصد اورمفادات کی تکمیل وہاں کرنی ہے۔

عبوری حکومت کی گارنٹی نہیں دی گئی

پھراصل مسئلہ عبوری حکومت کیلئے معاہدے میں کوئی یقینی تحفظ نہیں رکھا گیا، اس میں کہا گیا ہے کہ کارڈوویز صاحب غیرسرکاری جدوجہد کریں گے، بات چیت کریں گے، ذاتی طور پر وہ عبوری حکومت اورمخلوط حکومت کے قیام کیلئے کوشش جاری رکھیں گے، اب اس کی ذاتی حیثیت کیا ہے؟ جب روس، امریکہ، افغانستان عبوری حکومت کیلئے بات چیت کے لئے بھی تیار ہوں، وجہ یہ ہے کہ اسی معاہدے میں اس نے کہا ہے، کہ میں اپنی کٹھ پتلی حکومت کی امداد جاری رکھ سکوں گا، جب وہ نجیب اللہ کی امداد جاری رکھنے کا اعلان کرتا ہے، اوراپنے لئے تحفظ لیتا ہے، تو کیا وہ عبوری حکومت کیلئے تیار ہوسکتا ہے؟ عبوری حکومت کیلئے اگر وہ تیار ہوتا تو وہ اس امداد کو جاری رکھنے کا تحفظ حاصل نہ کرتا، تو اس طرح حکومت نے عبوری حکومت کا صرف پیش بندی کے طور پر اوردل بہلانے کے طور پر معاہدے میں ذکر کردیا ہے، لیکن عملاً اس کی کوئی صورت ہمارے سامنے نہیں آسکے گی۔

مہاجرین کی باعزت واپسی کی ضمانت نہیں دی گئی

اس میں مہاجرین کی باعزت واپسی کا ذکر ہے لیکن وہ پیرابالکل مبہم ہے کہ کیسے باعزت واپسی ہوگی؟ جب نو مہینے وہاں فوج مسلط رہے گی اورنو مہینے کے بعد انخلا ہوگا، اورنجیب گورنمنٹ بھی وہاں براجمان رہے گی اوراسلحہ کے ڈھیر کے ڈھیر اسکے پاس آتے رہیں گے، توان حالات میں مہاجرین کا باعزت تحفظ کیسے ممکن ہے، ان نو مہینے سے پہلے اگرہم یہ توقع رکھیں کہ مہاجرین وہاں جائیں، تو یہ بہت بڑی زیادتی ہے، ایک بھیڑیئے کے سامنے ان کو پھینکنا، ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دینا اوران سے کہنا کہ اب آپ چلے جائیں۔

کیا یہ سب کسی سپر طاقت کی وجہ سے تھا؟

کیا اس کا مطلب یہ نہیں تھا، کہ ہم نے اب تک سپر طاقتوں کے مفادات کی وجہ سے سب کچھ کیا؟ اس میں ایمان کا کوئی جذبہ نہیں تھا؟ اس میں ہمارے مؤقف کی سچائی نہیں تھی ، جب ان کی ضرورت پوری ہوگئی اور انہوں نے ہمیں سگنل دے دیا، ہم نصرت ، ہجرت ، جہاد ، ایمان اور اخوت کی ساری باتوں کو پسِ پشت ڈال کر بیٹھ گئے، اور ابھی معاہدہ کی سیاہی خشک نہیں ہوئی، مگر ہم آج چیخ رہے ہیں کہ مہاجرین واپس چلے جائیں، جبکہ آج بھی وہاں توپیں چل رہی ہیں، آج بھی وہاں بمباری ہورہی ہے، آج بھی مجاہدین اور روس کی لڑائی جاری ہے، آپ اس آگ اور خون کے طوفان میں مہاجرین کو کیسے بھیجتے ہیں کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا، کہ ہم نے جتنی بھی نیک نامی اور دنیا بھر میں شہرت حاصل کی تھی اس کو ہم بلا وجہ ایک بڑی طاقت کے اشارے پر گنوادیا تو میں سمجھتا ہوں کہ مہاجرین کی باعزت واپسی کا اس معاہدے میں کوئی بھی انتظام نہیں ہے۔

مذاکرات سے روس نے اپنے مقاصد حاصل کر لیے

اسلام آباد اور کابل کے درمیان اس معاہدے کو محدود کر کے روس نے وہ مقاصد حاصل کیئے جو دس سال تک وہ مستقل جنگ میں حاصل نہیں کر سکا تھا، اس نے مذاکرات کی میز پر اور اس جنیوا معاہدہ کی شکل میں وہ مقاصد حاصل کر لئے ، جو جنگی قوت ، ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں اور میزائلوں سے اس نے حاصل نہیں کئے تھے، اس کو کیا فائدہ ہوا؟ ایک تو یہ کہ اس نے دنیا کو یہ باور کرایا کہ یہ بین الاقوامی تنازعہ نہیں تھا، بلکہ یہ دو پڑوسی ملکوں کا جھگڑا تھا اور ان دو پڑوسیوں کو میں نے باندھ لیا ہے، اور خواہ مخواہ لوگ چیخ رہے تھے، کہ روس نے ظلم کیا، روس نے کہا کہ میں نے تو امن قائم کرایا ہے، میں تو امن کا دیوتا ہوں۔

جناب چیئرمین: مولانا اب کچھ رپیٹیشن شروع ہوا ہے تو اگر آپ اپنی تقریر کو مختصر کریں

مولانا سمیع الحق: بالکل مختصر کرتا ہوں، دوسرا مقصد روس نے یہ حاصل کرلیا، کہ انصار ومہاجرین کے درمیان ایک بڑی محبت تھی ، اور لازوال اخوت کا رشتہ قائم ہوگیا تھا، ان ساری محنتوں کو اس نے سبوتاژ کرایا اور ایسے حالات میں ہمیں کھڑا کر دیا ہے کہ انصار ومہاجرین کے درمیان خدانخواستہ وہ محبت کہیں نفرت سے نہ بدل جائے۔

دوسرا معاہدہ تاشقند

الغرض میں مختصراً اتنا عرض کروں گا، تفصیلات کا شائد زیادہ وقت آپ نہیں دیں گے تو میں اس کو بدقسمتی سے پاکستان کیلئے ایک دوسرا معاہدہ تاشقند سمجھتا ہوں، اور ہم نے جیتی ہوئی جنگ ہاردی، اور وہ کنجی جو اللہ تعالیٰ نے اسلام آباد کو دی تھی، ایک بہترین سنہری موقع جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا، اس موقع کو ہم نے گنوا دیا اور اس معاہدہ میں پاکستان سراسر گھاٹے میں رہے گا، اور اس کی دلیل ایک یہ ہے کہ جو وطن دشمن قوتیں اور روس کی یہاں ایجنٹ قوتیں ہیں، وہ اس معاہدے پر شادیانے بجا رہی ہیں، آج ایک بڑے لیڈر کا جو روس کا ہمنوا ہے، اور جو مجاہدین کو افغان بھگوڑے کہتا ہے، اس نے چیخ چیخ کر کل پریس کانفرنس میں لعنت ملامت کی ہے، کہ یہ افغان بھگوڑے اوجڑی کیمپ میں کیا کرتے تھے، اور یہ تھا وہ تھا، اس نے کہا ہے، کہ ہم معاہدے پر جشن منائیں گے جس معاہدے پر ولی خان اور اس کے ہمنوا جشن منانے کا اعلان کریں اس سے یہ بات واضح ہے اور گواہی ہے کہ اس معاہدے سے پاکستان اور مجاہدین کو سراسر نقصان ہی نقصان ہوگا۔شکریہ

سالانہ ختم بخاری ودستار بندی

۴رشعبان ۱۴۰۸ بمطابق ۱۹۸۸ء جامع مسجد دارالعلوم میں ختم بخاری شریف کی تقریب منعقد ہوئی، دارالعلوم کے اکابر اساتذہ، مشائخ اور طلبہ کے علاوہ پہلے سے کسی پیشگی اطلاع کئے بغیر قرب وجوار کے علماء، مشائخ، فضلاء دارالعلوم حقانیہ کے متعلقین نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی، قبلہ والد ماجد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ نے بخاری شریف کا آخری حدیث کا درس دیا، اس موقع پر دارالعلوم کے طلبہ دورۂ حدیث کی دستار بندی فرمائی۔

امیر جمعیت حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی کی تعزیت کیلئے آمد

جمعیت علماء اسلام کے مرکزی امیر حضرت مولانا عبداللہ درخواستی احقر کی والدہ کی تعزیت کے سلسلے میں دارالعلوم تشریف لائے، اس موقع پر دارالعلوم حقانیہ میں دورہ تفسیر کے اجراء اور کامیابی پر اپنی مسرتوں کے اظہار کے ساتھ ساتھ جامع مسجد دارالعلوم میں طلبہ دورہ تفسیر کو سورۃ بقرہ کی آخری آیات کا درس بھی دیا، بعد میں احقر سمیع الحق کی معیت میں والدہ مرحومہ کی قبر پر بھی تشریف لے گئے، اور مرحومہ کیلئے ایصال ثواب اور مغفرت کی دعائیں کیں۔

مولانا محمد طارق نعمان
ندوۃ العلماء لکھنو انڈیا

رہبرِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم جس نے انسانوں کو جینا سکھایا

ماہ ربیع الاول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ہوئی ،ظلمات سے نکل کر لوگ روشنی کی طرف سفر کرنے لگے، وحشی قبائل امن و آشتی کے علمبردار بن گئے، جہالت اور ضد کے بُت علم و ادب کے دیوتا بن گئے اور بچیوں کو زندہ درگور کرنے والے بچیوں کے محافظ و نگہبان بن گئے، یقیناً یہ اُسی وقت ہوا جب تاریخ میں ایک انقلاب آیا ،انقلاب بھی کسی کی بعثت کے ساتھ آیا اور سرور دوعالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا واقعہ بلاشبہ انسانی تاریخ کا سب سے زیادہ انقلاب آفریں واقعہ ہے۔

انسانی دنیا تاریخ کے دوراہے پر کھڑی تھی،عرب میں ایک طرف جہالت، تاریکی، بدامنی اور قتل و غارتگری کا دور دورہ تھا تو دوسری طرف عجم کے فرماں روا اپنی بادشاہت اور تہذیب وتمدن کی آڑ میں عوام الناس کا استحصال کر کے اپنے جذبہ جہاں گیری کو تسکین دے رہے تھے، انسانیت کا ضمیر نفس کی پنجہ میں سسک رہا تھا، طاقتور کمزور کو اپنا غلام سمجھتا تھا اور کمزور محکومی کی حدوں سے گزر کر زورآوروں کی بندگی میں مجبور ہو چکے تھے،عدل وانصاف کی اخلاقی اقدار کا جنازہ نکل چکا تھا،لوگوں کے پاس آسمانی ہدایت کا کوئی قابل لحاظ نسخہ اپنی اصل شکل میں محفوظ نہیں تھا جو اس بحرانی کیفیت کا مداوا کر پاتا،اہل کتاب کے حبار و رہبان کی کاروباری ذہنیت کے نتیجے میں وحی ربانی کا وہ چشمہ صافی بھی گدلا ہو چکا تھا جو ایسی مشکل گھڑی میں ان تشنہ لبوں کی سیرابی کا سامان کر سکتا،کل ملا کر انسانی دنیا دنیا ایسے اندھیرے میں بھٹک رہی تھی جہاں روشنی کا کوئی گزر نہ تھا، تاریخ کے اس دور کو دور جاہلیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

لیل ونہار کی یہ گردشیں اس امر کی متقاضی تھیں کہ دنیا کے منظر نامہ پر ایک تاریخی انقلاب کا ظہور ہو،تاریخ کا مطالعہ یہ بتاتے ہے کہ جب انسانی دنیا اس قسم کے بحرانی حالات سے دوچار ہوئی ہے تو اس کارخانہ قدرت کے صانع حکیم نے تمدن کے گہوارہ کی حیثیت رکھنے والے مقامات پر ایسے

افراد کو منصب نیابت پر مامور کیا جنہوں نے اپنی فوق العادت شخصیتوں کے ذریعہ اس ربع مسکون پر بسنے والے لوگوں کی رہبری کا فریضہ انجام دیا۔ چھٹی صدی عیسوی میں یہ حیثیت مکہ کو حاصل تھی جہاں عرب جیسی جفاکش، بلند حوصلہ اور اولوالعزم قوم آباد تھی، عرب قوم کی شناخت گردونواح میں بعض خصوصیات کی بناء پر مسلم تھی اس میں قیادت کی اہلیت اور جوہر دونوں چیزیں موجود تھیں، اس میں حوصلہ اور عزم کا ٹھاٹیں مارتا سمندر موجزن تھا، اس کے اندر انقلاب آفرینی کی بھرپور صلاحیت موجود تھی، ایسے وقت میں عرب کے سب سے معزز اور مشہور قبیلہ قریش میں دنیا کے سب سے بڑے انسان کو اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا جو آگے چل کر جہالت وضلالت کی تاریک رات میں آفتاب رسالت بن کر ابھرا اور بہت قلیل مدت میں اس کی جلوہ سامانی سے تمام شرق وغرب منور ہوگئے، شاعر نے کیا خوب یہ منظرکشی کی ہے۔

حضور آئے تو سر آفرینش پا گئی دنیا
اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آ گئی دنیا
بجھے چہروں کو زنگ اترا سُتے چہروں پہ نور آیا
حضور آئے تو انسانوں کو جینے کا شعور آیا

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا واقعہ بلاشبہ انسانی تاریخ کا ایک ناقابل فراموش باب ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد نے صفحۂ ہستی پر جوان مٹ نقوش ثبت کئے ہیں وہ آج بھی اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف بارہا کیا گیا اور رہتی دنیا تک کیا جاتا رہے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کے اعتراف کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میدان میں متعدد غیر مسلم شخصیتوں نے طبع آزمائی کی ہے، مشہور مصنف تھامس کارلائل نے اپنی کتاب ''ہیرواینڈ ہیرو ورشپ'' میں کمالات محمدی کا اعتراف کیا ہے، امریکہ سے تعلق رکھنے والے تاریخ داں اور ماہر فلکیات ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے اپنی مایہ ناز تصنیف تاریخ کی سو انتہائی متاثر کن شخصیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفہرست تسلیم کیا ہے، دنیا میں بڑے لوگ بہت ہوئے ہیں مگر جو جامعیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، اس کی کوئی دوسری مثال پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ عاجز ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو بجائے خود ہمارے لئے ایک نمونہ عمل نہ ہو قرآن کا بیان ہے ''البتہ تحقیق ہے تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

بہترین نمونہ'' (القرآن) اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیج دیا، فرمایا: ''اے نبی! ہم نے آپ کو جہاں کے لئے رحمت بنا دیا۔'' (القرآن)

کسی نے کیا خوب شان رسالت میں ایک نقشہ کھینچا ہے کہ رحمت للعالمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے اور خلق عظیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تاج ہے، صداقت اور امانت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کا تانابانا ہے، خوش خلقی کا رنگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت حسنہ میں جلوہ گر ہے، حق کا نورانی حلقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کے گرد جگمگ جگمگ کرتا ہے، اللہ کا نور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب صادق میں جمال آراء ہے، معرفت کا سرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کالی سرخ ڈوروں والی آنکھوں سے مترشح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جسم حق ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تفسیر قرآن ہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کرتے ہیں تو جیسے پھول جھڑتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے ہیں تو دلوں کی فوج اسیر محبت ہوجاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادب سکھلانے والے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل سراپا ادب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم برتری کا مظاہرہ نہیں کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت ہیں جو بیٹھتے ہیں تو سب کے برابر، جو چلتے ہیں تو سب کے درمیان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی میں ایک کائنات جذب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو پھولوں کی ایک جنت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل موتیوں سے بھرا دریا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی اختیار کرتے ہیں تو کائنات خاموش ہوجاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے ہیں تو سدا بہار باغ کھل جاتے ہیں، فرشتے جن کی خوشہ چینی کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے کلام کی جب تلاوت فرماتے ہیں تو کائنات مسحور ہوجاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم افسردہ ہوتے ہیں تو جہاں افسردہ ہوجاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غمزدہ ہوتے ہیں تو جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غمزدہ ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے ہیں تو کائنات مسکراتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم روتے ہیں تو کائنات روتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہیں تو کائنات کانپتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیکر عفو ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مظہر رحمت ہیں، دوست پر رحمت فرماتے ہیں تو دشمن کو درگزر کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلم کے نورانی مینار ہیں تو شفقت کے پھول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ کرتے ہیں تو ہر قیمت پر ایفا کرتے ہیں، کوئی امر سخت ناپسندیدہ وقوع پذیر ہوتو سینہ بے کینہ میں رنجیدگی کا کچھ ایسا تموج پیدا ہوتا ہے کہ آبروں کے درمیان سے اٹھتی ہوئی وہ رگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبیں مبارک سے مانگ تک جاتی ہے، پھول جاتی ہے مگر ناپسندیدگی

ذات کے لئے نہیں کسی اصول کے لئے ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے ہیں تو راستے میں ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کی خیریت پوچھ رہے ہیں اور شفقتیں فرمارہے ہیں۔

ہمیں وہ اپنا کہتے ہیں محبت ہو تو ایسی ہو
ہمیں نظروں میں رکھتے ہیں عنایت ہو تو ایسی ہو

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق عالیہ کو دیکھ کر کئی لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں تھے، ایک بکری پکانے کی تجویز ہوئی، ایک شخص نے کہا کہ اس کا ذبح کرنا میرے ذمہ ہے، دوسرا بولا کہ اس کی کھال کھینچنا میرے ذمے، تیسرے نے کہا کہ اس کا پکانا میرے ذمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لکڑیاں اکھٹا کرنا میرے ذمے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء نے عرض کی حضور! یہ بھی ہم ہی آپ کی طرف سے کرلیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! مجھے معلوم ہے تم میری طرف سے کرلوگے، لیکن مجھے یہ بات ناگوار ہے کہ میں اپنے رفیقوں سے امتیازی شان میں رہوں اور اللہ پاک کو بھی ناپسند ہے اپنے بندے کی یہ بات کہ وہ اپنے رفیقوں سے امتیازی شان میں رہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور خود لکڑیاں جمع فرمائیں۔

امتیازی شان اختیار کرنا اور لوگوں سے کام کروانا اور خود ہٹ کر بیٹھ جانا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھریلو کام میں بھی ازواج مطہرات کے ساتھ ہاتھ بٹایا کرتے تھے، زندگی گزارنے کا سلیقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سکھایا، اس امت کی خاطر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں کیں، اب ہمیں چاہیے کہ ان دعاؤں کی لاج رکھتے ہوئے اعمال و افعال نبی علیہ السلام کے طریقوں کے مطابق کریں جنت میں جانے کا یہی طریقہ ہے۔

اگر جنت میں جانے کا ارادہ ہے تمامی کا
تو گلے میں طوق ڈال محمد کی غلامی کا

اللہ پاک ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے امین

مولانا عبدالقیوم حقانی *

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ
جلال و جمال اور کمال کا حسین اِمتزاج

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو مرحوم لکھتے ہوئے دل بیٹھنے لگتا ہے۔ انہیں زندگی میں عزت و شہرت‘ مقبولیت و محبوبیت‘ اعلیٰ منصب‘ قومی قیادت اور ملی سیادت سب کچھ ملے لیکن انہیں جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے نسبت اور خدمت پر غیر معمولی فخر تھا۔ اسی چیز نے انہیں عالمگیر عظمت کا مالک اور دوسری طرف ملت کا مسیحا اور غم خوار بنا دیا۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی زندگی کے اتنے پہلو ہیں کہ انہیں قلم بند کرنا ناممکنات میں سے ہے، اس عبقری انسان کے لئے تو بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ ’’جامع الصفات اور مختلف الجہات‘‘ تھے، وہ علمی اقدار اور ادبی لطافتوں سے لدے ہوئے تھے۔ وہ جب بات کرتے تو پھولوں کی بارش ہوتی، تقریر کرتے تو لذت و حلاوت سے طبیعت سیر ہوجاتی، مشورہ کرتے تو نگاہِ التفات میں مساوات ہوتی۔ برتری اور کہتری کے حلقہ سے بہت بلند تر تھے، اساتذۂ کرام‘ طلباء اور غیر تدریسی عملہ حتی کہ چپڑاسی اور مالی وغیرہ کی باتوں کو بھی پوری توجہ سے سنتے اور ہر شخص کی دلجوئی کے لئے اس کی سطح کے مطابق ضرور کچھ کہتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہر طرح کی محفل مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی باتوں‘ محبتوں اور شفقتوں سے زعفران زار بنی ہوئی ہے۔

---

* مہتمم جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور ملک بھر کے دینی مدارس کے طلبہ کو ان کے واقعات سے حیاتِ تازہ ملتی ہے، شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہو کہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے اشجار واحجار بھی اس عظیم الشان اِنسان کے حق میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ان کے اُٹھ جانے سے یہاں کا ذرہ ذرہ اداس ہے۔مولانا سمیع الحق شہیدؒ برصغیر کے لئے ایک اعلیٰ دماغ' ملک وملت کے لئے قیمتی اثاثہ' جامعہ دارالعلوم حقانیہ' دینی مدارس اور حقانی برادری کے لئے ایک سہارا تھے اور مجاز کی زبان میں میرے ایک بزرگ دوست نے کتنا ہی خوب کہا ہے کہ جامعہ حقانیہ کے لئے لیئے شب شیراز اور مشام مصر تھے۔

مجھے ۱۹۷۵ء سے نومبر ۲۰۱۸ء تک انہیں بہت قریب سے دیکھنے، استفادہ ومطالعہ کرنے اور خدمت و رفاقت کے مواقع ملے جن لوگوں کو حضرت شہیدؒ کے ساتھ ساتھ رفاقت و خدمت' تلمذ و استفادہ اور چند لمحے قربت کی سعادت حاصل ہوئی، ان کی رعنائی گفتار کی داستانیں سبھی کو ازبر ہوگئی ہیں، وہ جہاں جاتے جس محفل میں ہوتے ہر شخص ان پر نچھاور ہوتا تھا ہر شخص ان کی پُرمزاح اور پُربہار باتیں سننے کے لئے ہمہ تن گوش بنا ہوا ہوتا تھا۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے دینی مدارس' مذہبی قوتوں اور اسلامی جماعتوں سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے نہایت پراعتماد انداز میں جواب دیا کہ خدا کا شکر ہم ملک میں عزت کی زندگی گذار رہے ہیں، ہمیں ملکی سیاسی قیادت کے ساتھ رہنے کے گر معلوم ہیں بالخصوص ان کا یہ ارشاد سنہرے حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے کہ اسلام اور علومِ نبوت مطابقت (Adajustment) کی تعلیم دیتے ہیں دوسروں کے جذبات کی قدر پراُکساتے ہیں۔

اس حوالے سے گفتگو پر بھی مولانا سمیع الحق کو اپنی باتوں میں حد درجہ ایقان واطمینان تھا، انہوں نے فرمایا: دارالعلوم حقانیہ سمیت تمام دینی مدارس اور وفاق المدارس بڑے پرسکون ماحول میں چل رہے ہیں اور اِن شاء اللہ تائیدایزدی سے چلتے رہیں گے۔دینی مدارس کے تئیں ناپاک عزائم رکھنے والوں کو اکابر علماءِ دیوبند کے اخلاص نے ہمیشہ شکست دی ہے۔مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی گفتگو سب کے جذبات' عزائم حوصلوں اور توقعات کی ترجمانی ہوا کرتی تھی۔شاید جگر مرحوم نے اپنے شعر میں مولانا شہیدؒ کے جذبات ہی کی ترجمانی کی ہے......

جان کر منجملۂ خاصانِ مئے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

نظر وفکر میں اسمع، علم ونسبت میں سمیع، ان گنت محاسن ومکارم کے مخزن، کمالات و جمالات کے منبع، فراست وخردمندی میں ممتاز، سیاست و ذکاوت میں عدیم المثال، ایک جلیل القدر محدث، عالمی شہرت یافتہ مجاہد مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے نامِ نامی اور مقامِ عالی سے کون واقف نہیں، ان کی عظمت و رفعت، اہتمام و خدمت، تصنیف و تالیف، تحریر وتقریر، فرقِ باطلہ کا تعاقب، نفاذِ شریعت کی جدو جہد، معرکۂ شریعت بل کے مؤسس وبانی، اوران کی ہمہ جہتی خدمات کو ہزاروں سلام، حضرت کی شہادت کو سال مکمل ہونے کو ہے یہ موقع خالی خامہ فرسائی، لفاظی، جوش و جولانی کا نہیں یعنی محض آپ کے خصائص حمیدہ وصفات کمالات کا ذکر کرکے نثری مرثیہ خوانی کا وقت نہیں کیونکہ حضرت شہید ناموسِ رسالت کی عبقری شخصیت کا تقاضا ہے کہ ان کے قرآن وحدیث، فقہ و تاریخ، فلسفہ وعقیدہ میں عصری اور نئی وراثتوں کی کماحقہ حفاظت کی جائے، آپ کے سیاسی وقائدانہ بصیرت افروز ذخائر کو محفوظ کیا جائے، آپ کا تصنیفی، تالیفی اور قلمی وہ سارا مواد جو طبع نہ ہوسکا، اس کی طباعت کا انتظام کیا جائے، آپ کے سیاسی وبصیرت افروز ذخائر کو محفوظ کیا جائے مثلاً آپ کا تصنیفی وتالیفی وہ مواد جو تاہنوز طبع نہ ہوسکا، تفاسیر امام لاہوری اور الحق کی خصوصی اشاعت کی طرح ان کی طباعت کا بھی انتظام کیا جائے، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کو آپ کے خوابوں اور خطوط کے مطابق پروان چڑھایا جائے۔ مکاتیب مشاہیر کے بقیہ حصے شائع کئے جائیں۔

آپ کی اس ہمت و جرأت اور ثابت قدمی کی اس روایت کو جو بڑے بڑے صبر آزما حالات سے پھر نبرد آزما ہوکر بھی جس نے ہار نہ مانی، باقی وسلامت رکھا جائے۔ آپ سے وابستہ حلقہ احباب، متوسلین، اربابِ علم و دانش سے محبت و دلجوئی، مہر وفا کا معاملہ کیا جائے۔ برصغیر کے سینکڑوں رسالوں میں بکھرے ہوئے ہزاروں مضامین کو مرتب ومجتمع کیا جائے۔ عبادات ومعاملات، فرائض ومستحباب، دعوتِ حق وتبلیغ دین حنیف میں خدا ترسی جیسی صفات سے خود کو متصف کیا جائے۔

وعلیٰ ہذا اس قسم کے نقوش وآثار کو اپنانا اپنی طرف سے کسی بھی بڑی سے بڑی ہستی کے لئے بہترین خراجِ عقیدت ہوتا ہے اور ان کی روح کے لئے سکون اور ناتمام خوابوں کی عملی تعبیر بھی بلکہ برزخی زندگی کے لئے اعلیٰ قسم کا صدقہ جاریہ ہے۔

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی*

ہجری کیلنڈر: اہمیت، ضرورت، تقاضے

تقویم (کیلنڈر) ایک قومی، سماجی اور انسانی ضرورت ہے، تاریخ محفوظ رکھنے کیلئے، واقعات مرتب کرنے کیلئے، لائحہ عمل طے کرنے کے لیے، بیشتر دینی و شرعی مسائل کا لزوم معلوم کرنے کیلئے اور زندگی سے جڑی ہر یاد کو دوام بخشنے کے لیے تقویم کا ہونا نہایت ضروری ہے، تقویم، انسان کیلئے ضبطِ اوقات کا ایک ناگزیر پیمانہ اور منصوبہ بندی کا اہم ترین معیار ہے، اسی لیے زمانہ قدیم سے انسان ایام وماہ وسال کو یاد رکھنے کا ضرورت مند رہا ہے اور آج بھی ہے، مورخین کا خیال ہے کہ عموما تین بنیادوں پر تقاویم کا اجرا عمل میں آیا ہے، چاند، سورج اور ستارے، چاند کی گردش کو بنیاد بنا کر جو تقویم منظر عام پر لائی گئی وہ قمری کہلائی، سورج کو معیار بنا کر جس کی ایجاد ہوئی وہ شمسی کہلائی اور ستاروں کی بنیاد پر جو رائج و عام ہوئی وہ نجومی کہلائی۔

امم سابقہ میں تاریخ کا رواج

ان تین مآخذ کے علاوہ پچھلی قوموں میں تاریخ معلوم کرنے کے لیے اور بھی مختلف چیزوں کو مدار بنایا جاتا رہا، اس سلسلہ میں امام طبریؒ نے اپنی تاریخ میں امام زہریؒ اور امام شعبیؒ سے روایت نقل کی ہے کہ ان دونوں حضرات نے کہا: جب آدم علیہ السلام جنت سے اتارے گئے اور ان کی اولاد ادھر ادھر پھیل گئی تو ان کی اولاد نے ہبوط آدم کے واقعہ سے تاریخ کا شمار کیا اور یہ تاریخ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت تک جاری رہی، پھر لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے غرق کے واقعہ تک تاریخ شمار کی، پھر طوفان نوح کے واقعہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے تک تاریخ شمار ہوتی رہی، پھر اس واقعہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی بعثت تک اور پھر وہاں سے موسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک، پھر وہاں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت تک اور پھر وہاں سے بعثت عیسیٰ علیہ السلام تک اور پھر بعثت عیسی علیہ السلام سے بعثت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک

---

* دارالعلوم دیوبند ہندوستان

تاریخ کا سلسلہ چلتا رہا، امام طبریؒ کہتے ہیں کہ یہ تاریخ کا جوسلسلہ امام شعبیؒ نے بتایا ہے یہ یہود کے مابین رائج تھا (تاریخ طبری: ج۱،ص۱۲۰)

تاریخ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا بھر میں کم وبیش ۱۵ کیلنڈر رائج رہے اور مرور زمانہ کیساتھ ان کے اندر مختلف تبدیلیاں، مناسب ترمیمات اور ضروری اضافے ہوتے رہے کیونکہ وہ تمام انسانی دماغوں کی ایجاد و اختراع تھے نیز ان کی بنیاد بھی کسی مضبوط دلیل پر نہ تھی، جبکہ ان سب کے برعکس اسلامی یا ہجری تقویم کو یہ شرف اور فضیلت حاصل ہے کہ وہ جب سے تجویز ہوئی ہے، اس میں کوئی ایسی قابل ذکر تبدیلی نہیں لائی گئی جو دوسروں میں متعدد بار رونما ہوئی اور نہ ہی رہتی دنیا تک اس میں کسی ترمیم وتہذیب کی ضرورت پیش آنے والی ہے، کیونکہ اس تقویم کی بنیاد منشائے الٰہی کے عین مطابق چاند پر ہے اور چاند کو اللہ تعالیٰ نے سن وسال کی تعیین کا ذریعہ قرار دیا ہے، جیسا کہ سورہ یونس، آیت ۵ میں ارشادِ الٰہی ہے، اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے سورج کو ضیا و روشنی اور چاند کو اجالے اور چاندنی کے لیے بنایا ہے اور چاند کی منزلیں مقرر فرمائیں؛ تاکہ اس کے ذریعے تم سالوں کی تعداد اور حساب و کتاب معلوم کرسکو اور دوسری جگہ سورہ البقرہ، آیت ۱۸۹ میں فرمایا: (اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم (لوگ آپ سے چاند کی مختلف حالتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، انھیں بتادیں کہ یہ لوگوں کے لیے، (کاروبار کے) اوقات اور حج کا وقت معلوم کرنے کے لیے ہیں، اسی ہجری کیلنڈر کے ۱۲ مہینے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ، آیت میں یہی فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے جب سے زمین و آسمان بنائے ہیں، اس کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ ہیں اس آیت سے اور پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ سال کے ماہ اور ہر ماہ کے آغاز اور تاریخ کا پتہ چلانے کا ربانی ذریعہ چاند (ہلال) ہے، تمام شرعی امور مثلا رمضان، حج، یوم عرفہ، ایامِ تشریق اور ایامِ بیض چاند ہی سے معلوم ہوتے ہیں، غرض اس ہجری،قمری اور اسلامی تقویم کی بنیاد اِسی فطری اور قدرتی نظام پر قائم ہے؛ جس کے واضح اشارے قرآن مجید میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

ہجری تقویم؛ تاریخ وتدوین

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ عرب میں قمری کیلنڈر کا رواج تو پہلے سے ہی تھا؛ مگر عہد فاروقی تک سرکاری مراسلات میں صحیح اور مکمل تاریخ کا اندراج لازمی نہ سمجھا جاتا تھا جسے ایک طرح کی دفتری خامی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور اس خامی کا علاج حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ بلا کر کردیا، سنہ ہجری کی ابتدا کیسے ہوئی؟ اس کے متعلق علامہ شبلی نعمانی مرحوم ''الفاروق'' میں یوں رقمطراز

ہیں: ۲۱ھ میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک تحریر پیش ہوئی، جس پر صرف شعبان کا لفظ تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گذشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ؟ اسی وقت مجلس شوریٰ طلب کی گئی اور ہجری تقویم کے مختلف پہلو زیر بحث آئے جن میں سے ایک بنیادی پہلو یہ بھی تھا کہ کون سے واقعہ سے سن کا آغاز ہو، حضرت علیؓ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اس پر سب کا اتفاق ہوگیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول کو ہجرت فرمائی تھی۔ چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے؛ لہٰذا دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سن ہجری قائم کیا گیا، اس طرح اس سن کا آغاز یکم محرم الحرام بروز جمعۃ المبارک ۱ھ مطابق ۲۲ جولائی سے ہوا، یہ سن فطری اور حقیقی ہے؛ مگر جاہلیت کے زمانے میں اہل عرب نے دنیا کی دیکھا دیکھی قمری سال کو دنیوی اغراض و مقاصد کی تکمیل کیلئے شمسی سال کے مطابق کرنا چاہا اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے اضافی دنوں یا مہینوں کی پیوندکاری کا طریقہ اپنایا، اسی طرح اللہ کے شعائر خصوصا حج کے ایام میں گڑ بڑ پیدا کردی گئی، پھر یہ خلل صرف حج تک ہی محدود نہ رہا، بلکہ دوسرے امور میں بھی در آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حرمت کے چار مہینے قرار دیئے گئے تھے، ان مہینوں کے متعلق اہل عرب کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ان مہینوں میں نہ تو آپس میں جدال وقتال کریں گے نہ کسی تاجر یا راہ گیر کو لوٹ کھسوٹ سے پریشان کریں گے، یہ مہینے رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم الحرام تھے، ان میں تین اکٹھے مہینے حج کے پراطمینان سفر کے لیے تجویز کیے گئے تھے؛ چونکہ یہ ایک پسندیدہ دستور تھا، لہٰذا اسلام نے اسے بحال رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حج الوداع میں فرمایا تھا: اے لوگو! نسی کفر میں اضافہ ہے، یہ کافروں کو گمراہ کرنے کے لیے ہے۔ کسی سال اس کو حلال ٹھراتے ہیں اور کسی سال حرام کہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کرکے اس کے حرام کیے ہوئے کو جائز بنالیں اور جائز حرام کرلیں، اب زمانہ پھر گھوم گھام کر صحیح وقت اور اصل صورت پر آ گیا ہے۔ جیسا کہ وہ تخلیق کائنات کے دن تھا۔ مہینوں کی تعداد اللہ کے یہاں نوشتہ الٰہی میں جس دن سے اس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا بارہ مہینے ہیں، سنو! اب آئندہ نہ کبیسہ ہوگا نہ نسی ہوا کرے گی، چار مہینے حرمت والے ہیں، تین پے در پے اور ایک رجب کا مہینہ ہے جو جمادی الاخری اور شعبان کے بیچ میں ہوتا ہے (ملاحظہ کریں: صحیح بخاری بروایت ابی بکرہ) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فرمان ہجری سنہ کا ماخذ ہے؛ اس سے معلوم ہوتا ہے اسلامی تقویم کی ندرت یہ ہے کہ یہ فطرت سے ہم آہنگ ہے اور ہر سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے۔

اسلامی تقویم کا آغاز واقعہ ہجرت سے کیوں؟

ہجری تقویم دنیا کے رائج سنین اور تقویموں میں ایک بہت ہی معروف ومشہور تقویم ہے، اس کا نقطہ آغاز دنیا کی عظیم ہستی اور اللہ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم ترین سفر ہجرت ہے، جو حکم الٰہی کی تعمیل کے ساتھ ساتھ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا درخشاں عنوان اور تاریخ انسانی کا قابل ذکر باب ہے؛ بلکہ ہجرت، اسلامی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے، کفر وایمان کی کشمکش، حق و باطل کی آویزش اور اسلامی انقلاب کی جدوجہد میں ہجرت کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ ہجرت ایک اہم ترین عبادت، انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت، دعوت دین کی شاہ راہ اور کامیابی وظفرمندی کی دلیل ہے۔

یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تقویم کیلئے ہجرت کا انتخاب کیوں کیا ؟ جو بظاہر درماندگی، شکست اور مجبوری میں کیا گیا اقدام ہے، انھوں نے دیگر قوموں کی طرح فتح وظفر کو مبدا تاریخ کیوں نہیں بنایا؟اس سلسلہ میں ایک معروف اسلامی اسکالر رقم طراز ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم اسلامی تحریک کی جدوجہد میں واقعہ ہجرت بظاہر تو ایک ناخوشگوار واقعہ ہے، لیکن حقیقتاً یہ اسلامی انقلاب کی طرف ایک اہم پیش رفت ہے۔ مسلمانوں نے اسی لیے اپنی تقویم کو کسی شخصیت، خاندان یا قوم کی طرف نسبت دینے کے بجائے ایک نظریہ کی جدوجہد کے مخصوص مرحلے سے نسبت دی ہے۔ مسلمانوں کا سنہ، سنہ ہجری ہے جو ہجرت کے واقعہ سے شروع ہوتا ہے چنانچہ ہر دفعہ جب مسلمان اپنے سالِ نو کا آغاز کرتے ہیں تو وہ عظیم ترین اسلامی تاریخ کی بھرپور جدوجہد کے لیے ایک ایسے مرحلے کی یاد تازہ کرتے ہیں جب وہ کسمپرسی اور جبر وتشدد کے ماحول سے نکل کر ایک اسلامی ریاست کے قیام کے مرحلے میں قدم رکھ رہے تھے...... یہ اللہ کی حکمت ہے کہ ہجرت کی تاریخ نئے سال کی یکم تاریخ کے ساتھ اس طرح منطبق ہوگئی کہ ہجرت ہی مسلمانوں کیلئے سال نو کا موضوع بن کر رہ گئی ہے، بلاشبہ ہجرت مدینہ کا واقعہ اپنی تاریخی اہمیت کے لحاظ سے فتح مکہ سے کسی صورت کم نہیں ہے بلکہ شاید کچھ زائد ہی ہے۔ جس روز ہجرت کرکے مکہ چھوڑا جارہا تھا، اسی روز تاریخ کے ایوان میں مکہ کی فتح کا سنگ بنیاد رکھا جارہا تھا (ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ،سید اسعد گیلانی، نقوش سیرت نمبر ج ۸،ص ۲۵۱-۲۵۲)

ہجری تقویم کے بعض خصائص وامتیازات

ہر تقویم کے کچھ امتیازات ہوتے ہیں اسی طرح ہجری تقویم کے بھی بعض ایسے امتیازات

ہیں جو دوسرے سنین اور کیلنڈر میں نہیں پائے جاتے، ان میں سے بعض ذیل میں درج کیے جارہے ہیں: دنیا بھر کے مروجہ سنین کی ابتدا پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ کوئی سن کسی بڑی شخصیت یا بادشاہ کی پیدائش، وفات یا تاجپوشی سے شروع ہوتا ہے یا پھر کسی ارضی یا سماوی حادثہ مثلاً زلزلہ، سیلاب یا طوفان سے؛ مگر صرف سن ہجری کو یہ اعزاز وشرف حاصل ہے کہ اس کا آغاز دین اسلام کی سربلندی کی خاطر اپنے وطن عزیز کو چھوڑ کر چلے جانے سے ہوا ہے، اپنے وطن کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہنا ایک بہت بڑی قربانی ہے اور ایسے اوقات میں ہر شخص کا دل بھر آتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہجرت کے وقت مکہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا: اے مکہ! تو کتنا پاکیزہ اور مجھے پیارا لگتا ہے، اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کہیں نہ رہتا (ترمذی)

سن ہجری، قمری تقویم ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ماہ وسال کی تعیین کے لیے چاند ہی معیار بن سکتا تھا۔ اس کے برعکس رائج شمسی سال (عیسوی کیلنڈر) فطری سال نہیں بلکہ خالص حسابی سال ہے، جو علم ہیئت اور علم ریاضی پر مبنی ہے اور تاریخ کے مختلف ادوار میں علم ہیئت کے نظریات میں تبدیلی یا اصلاح کے ساتھ ترمیم وتنسیخ بھی ہوتی رہی ہے۔ (ملاحظہ کریں: وقت، تعریف، اقسام اور ضروری اصطلاحات از پروفیسر رفیع اللہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ مجلّہ دراسات دینیہ)

اختلاف لیل ونہار اور گردش ارض وقمر سے سال ومہینے کا جو فطری نظام ہے، ہجری سنہ بالکل اس کے مطابق ہے قمری سال حقیقی سال ہوتا ہے۔ جب چاند زمین کے گرد ایک چکر مکمل کرلے تو مہینہ اور بارہ چکر مکمل کرلے تو سال پورا ہوتا ہے۔ حالانکہ عیسوی سنہ میں ایسا کچھ استقلال نہیں ہے۔ عیسوی سنہ سال میں دن اور تقریبا چھ گھنٹے ہوتے ہیں گویا آخری دن ربع کے اختتام پر ہی سال مکمل ہوجاتا ہے، اس طرح بلامنزل بیچ دن ہی میں سال کا اختتام ہوجاتا ہے۔

سنہ ہجری شروع سے اپنی اصل صورت مجوزہ پر باقی اور قائم چلا آرہاہے، اس میں ترمیم کی ضرورت نہیں۔ اسلامی تقویم کی یہ وہ منفرد خصوصیت ہے جو غالبا دنیا کے کسی متداول کیلنڈر میں نہیں، عیسوی تقویم بھی اس خصوصیت سے عاری ہے۔ (رحمۃ للعالمین ج۲،ص۴۵۰)

بہ لحاظ تداول اور استعمال بھی سنہ ہجری دنیا کے اکثر مروجہ سنین سے قدیم سنہ ہے گرچہ دوسرے مروجہ سنین اپنے اعداد کے لحاظ سے سنہ ہجری سے زیادہ پرانے معلوم ہوتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (رحمۃ للعالمین ج۲،ص۴۵۰۔۴۵۱)

خلاصہ کلام

مختصر یہ کہ ہجری کیلنڈر کا اسلام اور مسلمانوں سے بڑا گہرا تعلق رہا ہے، اس کی ترویج و اشاعت کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ قرون اولی کے مسلمانوں اور مسلم حکمرانوں نے اسے اولین انتخاب کے طور پر استعمال کیا ہے؛ لیکن افسوس صد افسوس کہ بعد کے زمانوں میں خود ہماری بے شعوری، لاپرواہی اور تساہل کے سبب اس کی وہ حیثیت باقی نہ رہ سکی جو قرون اولی میں اسے حاصل تھی، نیز امت کی سیادت وخلافت سے محرومی اور سیاسی وتعلیمی زوال بھی اس کی ایک بنیادی وجہ ہے؛ کیونکہ جب کوئی قوم کسی خطہ میں غلبہ پاتی ہے تو وہاں کے باشندوں پر اپنی تہذیبی ومعاشرتی بلکہ ہر طرح کے اثرات چھوڑتی ہے۔

اسلامی تقویم کی حفاظت اور ہماری ذمہ داری

ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسلامی تقویم ہجری کے استعمال کی عادت ڈالیں، اپنے روزمرہ کے استعمال میں اس تقویم کو مدنظر رکھیں، اگرچہ دوسری تقویمات، تاریخوں اور کیلنڈروں کا استعمال گناہ نہیں ہے، شرعا اس کے اختیار کرنے میں بھی ممانعت نہیں ہے؛ لیکن شمسی تقویم کا ایسا استعمال کہ ہم اسلامی تقویم کو بالکلیہ بھلا بیٹھیں! یہ کسی طرح درست نہیں، اس لیے کہ اسلامی تقویم ہجری کی حفاظت بھی مسلمانوں کا فرض ہے اور اس کے استعمال میں ثواب ہے، جس سے محروم نہیں ہونا چاہیے، نیز! اپنی شناخت اور اپنے امتیاز کو باقی رکھنا بھی ایک غیرت مند مسلمان کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس معاملے میں اس کی بہتر شکل یہ ہے کہ ہم قمری تاریخ کے استعمال کو ترجیحی بنیادوں پر دوسری تقویم کے مقابلے میں استعمال کریں، خدا نخواستہ اگر سب مسلمان اسلامی تقویم ہجری کو چھوڑ بیٹھیں اور بھلا دیں تو سب کے سب اللہ کے ہاں مجرم ٹھہریں گے، اس لیے کہ اسلام کی بہت ساری عبادات کا تعلق وربط اسی تقویم کے ساتھ ہے۔

حضرت حکیم الامت پاپنی تفسیر بیان القرآن میں رقم طراز ہیں: البتہ چونکہ احکام شرعیہ کا مدار حسابِ قمری پر ہے، اس لیے اس کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے، پس اگر ساری امت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنالے، جس سے حسابِ قمری ضائع ہوجائے، تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے؛ لیکن خلافِ سنتِ سلف ضرور ہے اور حسابِ قمری کا برتنا بوجہ اس کے فرض کفایہ ہونے کے لابد افضل واحسن ہے (بیان القرآن) حق تعالیٰ ہمیں اپنے دینی تشخص وورثے کی حفاظت کا اہتمام کرنے اور اس جانب خصوصی توجہ دینے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین) (بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

جناب سید خالد جامعی
معروف محقق ونقاد، کراچی

جدیدیت کیا ہے؟
انسان اٹھارہویں صدی سے قبل اور اٹھارہویں صدی کے بعد

دنیا کی ۲۳ روایتی، الہامی اور دینی تہذیبوں میں انسان عبد تھا، وہ جو اس نیلی کائنات میں خدا کے آگے سر بہ سجود ایک ہستی تھا جو اپنی آخرت کی اصلاح کے لیے فکر مند اور مستقبل کی حقیقی زندگی کے لیے کوشاں رہتا تھا، لیکن اٹھارہویں صدی میں جدیدیت کی آمد کے بعد یہ عبد جو بندگی کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا یکا یک آزاد ہوگیا (Mankind) بندے سے آزاد فرد (Human being) ہوگیا، یہ اصطلاح بھی صرف اس کے حیاتیاتی وجود کی علامت تھی لہٰذا اس کے سیاسی وجود کی وضاحت کے لیے Citizen کی اصطلاح استعمال کی گئی جو خود مختار مطلق (Sovereign) ہوتا ہے، اسی آزاد، خود مختار وجود کے لیے ایک ایسی ریاست قائم کی گئی جو Republic کہلائی، ایسی ریاست جہاں عوام کا حکم ارادہ عامہ (General will) کے تحت چلتا ہے، اس کے سوا کسی کا حکم چل نہیں سکتا، اگر کسی ریاست میں کسی اور کا حکم بہ ظاہر چل رہا ہے تو اس حکم کے چلنے کی اجازت بھی عوام کی اجازت سے ملی ہے اور یہ اجازت مطلق نہیں ہے حاکم حقیقی (عوام) اس اجازت کو جب چاہیں منسوخ کر سکتے ہیں مثلاً پاکستان کے دستور، آئین میں اللہ کی حاکمیت کو سب سے بالاتر حاکمیت کے طور پر قبول کیا گیا ہے

جدیدیت اللہ کی حاکمیت کا انکار ہے

اصولاً منشور بنیادی حقوق کے تحت ایسی حاکمیت کو قبول نہیں کیا جا سکتا لیکن پاکستانی معاشرہ ابھی جدید نہیں ہوسکا ابھی روایات اور مذہب کے شکنجوں میں ہے لہٰذا مجبوراً مذہب کو بھی عوام کی اجازت سے دستور میں عارضی طور پر حاکمیت دی گئی ہے مگر یہ حاکمیت حتمی نہیں عوام جب چاہیں کثرت رائے سے حاکمیت الہ کی اس شق کو منسوخ کر سکتے ہیں، ۲۰۰۹ میں یہ حادثہ ہو چکا ہے، جب ایم کیو ایم نے قومی اسمبلی کی ایک کمیٹی کے اجلاس میں دستور سے خدا کی حاکمیت کی شرط ختم کرنے کے لیے قرارداد پیش کی، قرارداد کی مخالفت پاکستان پیپلز پارٹی نے کی، رائے شماری ہوئی تو خدا کی حاکمیت دو ووٹوں کی برتری سے برقرار رہی، ایک پاکستانی اخبار نے سرخی لگائی ''خدا کی حاکمیت دو ووٹوں کی اکثریت سے بچ گئی'' جدید انسان

قائم بالذات، فاعل مختار مطلق، ہدایت میں خود کفیل، خارجی ذریعہ ہدایت سے بے نیاز اور ماوراء اپنے فیصلے خود کرنے کا حقیقی مجاز، ہر خارجی بیرونی ذریعہ علم کی حاکمیت و رہنمائی سے ماوراء، خیر و شر خلق کرنے کا اختیار رکھنے والی ہستی، ہر ایک کی عبادت سے بے نیاز اپنے معبد میں خود اپنی عبادت میں مصروف لا فانی، نورانی، حیوانی وجود ہے، لہٰذا جدیدیت میں صرف انسان ہی اصل حقیقت، اصل وجود ہے کیونکہ اس کے وجود میں شک نہیں کیا جا سکتا وہی مرکز کائنات ہے کیونکہ یہ خدا مرکز کائنات نہیں یہ کائنات بھی انسان کے لیے ہے

جدیدیت الہامی ذریعہ علم کا انکار ہے

ٹائن بی کے الفاظ میں حقیقت کے ادراک کے دو طریقے ہیں ایک سائنسی (Scientific trust) دوسرا شاعرانہ یا پیغمبرانہ (Poetic truth) پہلے طریقے سے علم مشاہدے اور تجربے سے ملتا ہے دوسرے طریقے سے ملنے والا علم محض شاعرانہ حقیقت ہے، ٹائن بی کے خیال میں لاشعور کی شاعرانہ سطح پر قابل فہم مشاہدہ کا نام ہی پیغمبری ہے، جدید انسان صرف وہ ہے جو حسی، تجربی، اختیاری سائنسی ذریعہ علم پر یقین رکھتا ہے اور غیر حسی، غیر تجربی، غیر طبعی، مابعد الطبیعیاتی، الہامی اور مذہبی ذرائع سے ملنے والے علم کو جہل، ظلمت و گمراہی تصور کرتا ہے کیونکہ ان ذرائع سے ملنے والے علم کی تصدیق تجربہ گاہ میں آلات سائنس سے نہیں ہو سکتی لہٰذا یہ تمام علوم جہالت میں شمار ہوتے ہیں۔

جدیدیت کی ابلیسیت

جدید انسان وہ ہے جو ان جہالتوں سے ماورا ہے اور خیر و شر کے پیمانے خود خلق کرتا ہے، کسی الہامی، روایتی اور دینی علم سے پیمانے اخذ نہیں کرتا، اس لیے جدیدیت تاریخ کا انکار کرتی ہے، سترہویں صدی سے پہلے کے زمانے کو تاریخ کا تاریک ترین زمانہ (Dark ages) قرار دیتی ہے، جدیدیت ماضی کا انکار کرنے کے باوجود ماضی سے کلاسیک کے نام پر وہ تمام تصورات، نظریات اور عقائد قبول کرتی ہے جو اس کی ابلیسیت سے ہم آہنگ ہیں مثلاً وہ یونان سے ارسطو کا نظریہ ابدیت دنیا لے کر آخرت کا انکار کرتی ہے، سترہویں صدی سے پہلے کے انسان کو انسان تسلیم نہیں کرتی، جدیدیت کے خیال میں اصل انسان تو روشن خیالی کے فلسفے کے بعد ظہور پذیر ہوا، جدید انسان ہی حقیقی معنوں میں صاحب علم ہستی ہے جو روشنی سے منور ہے کیونکہ اس نے جہالت کی تاریخ کا انکار کر کے مذاہب سے بغاوت کر کے اپنے لیے زندگی کا راستہ اپنی ہی روشنی، اپنی ہی رہبری و رہنمائی میں خود طے کرنے کا فیصلہ کیا، نشاۃ ثانیہ، روشن خیالی اور جدیدیت انسان کی اسی خود کفالت، فارغ البالی، خود انحصاری، خود مختاری اور آزادی کامل کا نام ہے، جدید انسان کو زندگی کا سفر طے کرنے کیلئے اپنے سوا کسی اور ذریعہ سے رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں،

جدیدیت، جدید انسان کا یہ دعوی کہ عقلیت آفاقی ہوتی ہے اور عقلیت کی بنیاد پر آفاقی اقدار، آفاقی نظام، آفاقی اخلاقیات وضع کی جاسکتی ہے پس جدیدیت (پوسٹ ماڈرن ازم) نے رد کر دیا، اس نے بتایا کہ عقل اپنی تاریخ، تہذیب اور ثقافت میں محصور، مقید، مسدود اور محدود ہوتی ہے مغرب میں اب اس رائے پر عمومی اتفاق ہے اس موقف کی تفصیلات کا مطالعہ کرنے کے لیے درج ذیل کتابوں کو دیکھئے!

.....Towards the understanding of Rationality Haber mass.

..... Reading in the philosophy of social science McIntyre J. Gray.

..... Madness and civilization Foucault.

..... False Dawn J. Gray.

..... Enlightenment wake. J Gray

..... conte agency Irony and Solidarity Rorty

..... Heidegger and Progress Rorty.

..... Relativity objectivity philosophical papers volume II Rorty.

جدیدیت کو سمجھنے کے لئے فلاسفہ کے فلسفوں کا مطالعہ ضروری ہے

جدیدیت، مغربیت، جدید انسان، جدید فلسفے، جدید تعقل غالب کو سمجھنے کے لیے افلاطون و ارسطو، ڈیکارٹ، ہیوم، کانٹ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ ہیوم اور کانٹ نے جدیدیت کے فکری اور عملی تسلط میں مرکزی کردار ادا کیا ہے، کانٹ کا کمال یہ ہے کہ اس نے عقلیت اور تجربیت کو ملا کر جدید سائنسی انقلاب کی فکری اساس کو ممکن بنایا اور سائنسی، طبعی اور تجربی علمیت کو ہی اصل العلوم قرار دے کر ان تمام علوم کو دائرے سے خارج کر دیا جو عقلیت اور تجربیت کے مادی، حسی اور طبعی معیارات پر پورا نہیں اترتے اس طرح جدیدیت نے تمام مابعد الطبیعیاتی سوالات کا انکار کر دیا اور ایک نئی مابعد الطبیعیات جنم دی جو علمیت (Epistemology) سے مابعد الطبیعیات (Metaphysics) نکالتی ہے، لہٰذا ڈیکارٹ، ہیوم اور کانٹ کی علمیت سے جو مابعد الطبیعیات نکلی وہ ہائی ڈیگر کے الفاظ میں حاضر و موجود کی مابعد الطبیعیات Metaphysic of Presence تھی۔

جدیدیت اور جدید انسان کی پیدائش کا تاریخی پس منظر

جدیدیت کو سمجھنے کیلئے جدید تصور نفس، جدید شخصیت، جدید معاشرت، جدید ریاست، جدید مابعد الطبیعیات کے نظریات سے واقفیت ضروری ہے، اس کے ساتھ ساتھ جدیدیت اور جدید انسان کی پیدائش کا تاریخی پس منظر جاننا بھی ضروری ہے، وہ کون سے تاریخی عوامل و اسباب تھے جنہوں نے

جدیدیت اور آزادی کے عقائد کو ابھرنے، پنپنے کا موقع دیا؟ روایتی معاشرہ کمرشل معاشرے میں کیسے تبدیل ہوا؟ کامرس اور لبرٹی کے تصورات نے روایتی زندگی پر کیا اثرات ڈالے؟ جمہوریت، سرمایہ داری، بنیادی حقوق کے قافلے کس طرح وجود میں آئے؟ جدیدیت سے پہلے مغرب عیسائیت کی آغوش میں تھا، لہٰذا جدیدیت کے ظہور، فروغ اور ارتقاء کو سمجھنے کیلئے، عیسائیت کی تاریخ کا مطالعہ بھی نہایت ضروری ہے۔

عیسائیت کی تاریخ

عیسائیت میں مذہب اور ریاست کی تفریق تھی کیونکہ عیسائیت کے پاس شریعت نہیں تھی لہٰذا عیسائی رومن ایمپائر نے ریاست کے لیے قوانین رومی قوانین سے لیے، رومۃ الکبری دو حصوں میں تقسیم تھی شہر خدا City of God اور شہر انسان City of man ایک جگہ خدا کا یعنی انجیل، کلیسا کا اور پوپ کا حکم چلتا تھا، دوسری جگہ ریاست جہاں بادشاہ کا رومی قانون چلتا تھا، پوپ زمین پر خدا کا نمائندہ تھا لہٰذا اس کی رائے مذہبی معاملات میں قطعی حتمی رائے تھی اس رائے سے کسی کو اختلاف کی اجازت نہ تھی لہٰذا عیسائیت میں کسی مذہبی مکتب فکر کو پنپنے کی اجازت نہیں دی گئی جس مکتب فکر نے پوپ کی رائے سے اختلاف کیا اسے صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا، کلیسا نے رومی ریاست کے انتظامی ڈھانچے کی اتباع میں اپنے مذہبی ڈھانچے کو رومی بیوروکریٹک اسٹرکچر میں تبدیل کر دیا پادریوں کے مناصب اور مرتبے قائم کر دیئے گئے، ان مناصب سے گزر کر ہی سب سے اونچے منصب پوپ تک کوئی پہنچ سکتا تھا لہٰذا پادریوں میں دائمی مسابقت پیدا ہوگئی، گیارہویں صدی میں پوپ گریگوری Pope Gregory VII کو جب اپنے اقتدار کی گرفت کمزور محسوس ہوئی اور اسے اندازہ ہوا کہ فرانس، جرمنی، برطانیہ کی بادشاہتیں آزاد ہونے کی کوشش کر رہی ہیں تو اس نے ان ریاستوں کی بغاوت کو کچلنے کے بجائے بغاوت کا رخ مسلمانوں کی طرف موڑ کر عالمی صلیبی جنگوں کا آغاز کرا دیا، اس نے تمام عیسائی بادشاہتوں کے سامنے امت مسلمہ کا نام نہاد خطرہ دکھا کر ان سب کو عظیم مذہبی جنگ پر آمادہ کیا، ان جنگوں کے لیے سرمایہ بادشاہوں نے کلیسا سے سود پر حاصل کیا جس نے کلیسا کے تقدس کو نقصان پہنچایا یہ مذہبی جنگ پانچ سو سال تک جاری رہی جس میں تمام یورپی بادشاہوں کے کئی سو بیٹے، بھانجے اور بھتیجے عیسائی مذہبی ریاست کے غلبہ کی راہ میں مارے گئے اس طرح پوپ نے پانچ سو سال تک عالمگیر جنگ برپا کرا کے کلیسا کے خلاف بغاوت کا رخ عالم اسلام کیخلاف موڑ دیا Jonathan Lyons کی کتاب Islam through western Eyes کے باب سوم (From the Crusades to the war on Terrorism Chapter 3 page 46 and 47 2012 Columbia Press USA.New York) کا مطالعہ پوپ کے بارے میں صلیبی جنگوں کے حوالے سے چونکانے والے انکشافات کرتا ہے۔

کالونیل ازم سے لبرل انقلاب تک

عیسائی دنیا پر پوپ کے ظلم وتشدد inquisition جادوگری کے الزام میں ہزاروں عورتوں کے قتل عام وغیرہ کے نتیجے میں جرمنی میں پروٹسٹنٹ ازم کا ظہور ہوا، کیلون ازم اور پیورٹن ازم برطانیہ اور سوئٹزر لینڈ میں کیتھولک کلیسا کی حاکمیت کے خلاف بغاوت کے مظاہر تھے، اس کے نتیجے میں پورے یورپ میں عیسائی مذہبی فرقوں کے درمیان سالہا سال تک خوفناک مذہبی جنگیں ہوئیں اسی عہد میں قوم پرست ریاستوں کا ظہور ہوا اور قومی چرچ بھی وجود میں آنے لگے کلیساء کی عالمی حیثیت مجروح ہوئی مذہبی بنیاد پر ریاستوں کے خاتمے کا معاہدہ آ گیا مذہبی جنگیں بند ہوگئیں۔

سولہویں صدی میں یورپی عیسائی حکومتوں نے پوری دنیا پر یلغار کی اور دنیا کے بہت بڑے حصہ کو غلام بنالیا، کولونیل ازم کے ذریعے یورپ میں سونے کے دریا بہنے لگے، مال و دولت کا سیلاب آ گیا اسی سیلاب نے جدید سائنس وٹیکنالوجی کے لیے وسائل کا انبار مہیا کر دیا اور ایجادات کے فکری ونظری انقلاب کو عملی انقلاب میں تبدیل کر دیا، عیسائی یورپی جب دنیا بھر کو تاخت وتاراج کر رہے تھے تو کلیسا نے انہیں کوئی سرزنش نہیں کی، کلیسا کی جانب سے لوٹ مار کی اس حرام دولت پر کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں کیا گیا، یورپ کے تقریباً ہر گھر نے لوٹ مار کی، اس دولت سے استفادہ کیا، سرمایہ دارانہ شخصیت، معاشرت، حکومت اور ریاست کی تعمیر میں لوٹ مار کی اس دولت نے کلیدی کردار ادا کیا، جب وہ شخصیت، انفرادیت، معاشرت، ریاست، حکومت وجود میں آ گئی جس کا اصل سبب پوپ اور چرچ کی غفلت تھا تو لبرل انقلاب نے عیسائی مذہبی حاکمیت کے خلاف زبردست بغاوت کر دی، دنیا دار دین کی پابندیاں کیسے برداشت کرسکتا ہے، جب کلیسا نے لوگوں کے دنیا دار بننے پر کسی ردعمل، افسوس، دکھ کا اظہار نہیں کیا تو اس نے لوگوں کی گناہ گار زندگی کو عملاً سند جواز مہیا کر دی۔

لبرل انقلاب کے قیام میں گرجا کی مجرمانہ خاموشی کا کردار

انہیں لبرل، آزاد خیال اور اخلاقیات سے بے پروا بنانے میں کلیسا نے مجرمانہ کردار ادا کیا اگر ہیبر ماس کے الفاظ مستعار لیے جائیں تو گرجا کی خاموشی مجرمانہ خاموشی (Criminal Silence) تھی، امریکہ و یورپ کے لوگ روحانی طور پر دیوالیہ ہو چکے تھے، کالونیل ازم کے ذریعے ان کے ضمیر سیاہ، غیرت، مذہب اخلاق سے محروم ہوگئے تھے، جبر وتشدد اور دوسری قوموں پر بہیمانہ مظالم نے ان کی عیسوی مذہبی شناخت انفرادیت، مذہبیت، کو پارہ پارہ کر دیا تھا مگر تاریخی روایتی طور پر وہ عیسائی ہی تھے لیکن ان کا طرزِ فکر، طرزِ حیات بدل چکا تھا اور کیتھولک عیسائی اخلاقیات کیساتھ ہم آہنگ نہیں تھا لہٰذا اس خلاء کو جدید

فلسفے نے پر کر دیا اور گناہگار، خبیث زندگی کا اخلاقی، علمی، منطقی، فلسفیانہ، عقلی جواز آزادی کے فلسفے کے ذریعے دیا گیا اس بدلے ہوئے انسان کی نفس پرستی کا مذہبی جواز پروٹسٹنٹ ازم نے دیا اور اس جدید مادہ پرست مذہب کی روشنی سے استفادہ کرتے ہوئے اسکاٹش انلائٹمنٹ نے ارتکاز سرمایہ اور سرمایہ میں مسلسل اضافے کا فلسفیانہ جواز مہیا کیا تا کہ آزادی ولذت میں اضافہ کیا جا سکے، حالات سازگار تھے موسم اچھا تھا لہٰذا آزادی، بے راہ روی، عقلیت پرستی، لذت پرستی، شہوت اندوزی نے مغرب کے تمام علاقوں میں جڑ پکڑ لی یہی جدیدیت کا تاریخی ارتقا ہے، جدیدیت کے وجود اس کے ارتقاء اور اس کے اظہار کے پس منظر کو جانے بغیر ہم جدیدیت کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔

جدیدیت کے اہم ترین مظاہر

جدیدیت کے دو بڑے اور اہم ترین مظاہر کانٹ اور اسکاٹش انلائٹمنٹ ہیں، جدیدیت کے فکر کو کانٹ کے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا، ان دونوں مظاہر پر اصل غلبہ پروٹسٹنٹ ازم کا ہے، کانٹ پروٹسٹنٹ عیسائی تھی اور اسکاٹش انلائٹمنٹ بھی پروٹسٹنٹ ازم کے زیر اثر تھی جس کے ذریعے جدید معاشیات (ماڈرن اکنامکس) کا ظہور ہوا، اسکاٹش انلائٹمنٹ کے ذریعے سادگی، فقر، درویشی، دنیا سے گریز اور کم سے کم تمتع کی تاریخی اور روحانی صفات کو قابل ملامت بنا دیا گیا، بہترین آدمی وہ ہے جو زیادہ سے زیادہ دولت رکھتا ہے لہٰذا جینٹلمین (Gentle man) اسکاٹش انلائٹمنٹ میں اس شخص کو قرار دیا گیا جو دولت مند ہو یہ سبق پروٹسٹنٹ ازم نے دیا تھا کہ جو دنیا میں کامیاب ہے وہی آخرت میں بھی کامیاب ہوگا جو یہاں ناکام ہے اس کا آخرت میں کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے لہٰذا جدید معیشت نے انسان کا جو تصور پیش کیا وہ خالص مادہ پرستانہ ہے جس کا مقصد اپنے ذرائع آمدنی میں اضافہ ہے، تا کہ اس سے وہ زیادہ سے زیادہ خواہشات پوری کر کے اپنی آزادی میں اضافہ کر سکے زندگی کے ہر شجر سے خوشی کے خوشے چن سکے اس کا مقصد لذت، معیار زندگی، میں مسلسل اور مستقل اضافہ ہے۔

سرمایہ اور آزادی لازم وملزوم

اسی لیے جدیدیت میں سرمایہ اور آزادی لازم وملزوم ہیں سرمایہ آزادی کے براہ راست متناسب ہے سرمایہ جتنا بڑھتا ہے آزادی کا دائرہ اتنا ہی وسیع ہوتا ہے آزادی کے دائرے کی وسعت لامحدود ہے کیتھولک ازم فقر وفاقہ، درویشی، رہبانیت، سادگی اور سیدھی سادی زندگی کو حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیائے علیہم السلام کی اتباع میں قابل فخر طرز زندگی کے طور پر پیش کرتا ہے لیکن کالونیل ازم کے بعد جب یورپی لوگوں کا طرز زندگی، معاشرت، انفرادیت تبدیل ہوئی تو ان کی گناہگار زندگی کیتھولک ازم کے بجائے

پروٹسٹنٹ ازم سے ہم آہنگ ہوگئی لہٰذا لوگ یا تو دہریے، ملحد مذاہب سے آزاد ہوگئے یا کیتھولک ازم سے نکل کر لوتھر کی عیسائیت میں داخل ہوگئے جہاں ہر شخص کو انجیل کی تشریح کا اختیار تھا کیتھولک کلیسا کی غفلت، لا پرواہی اور کالونائزیشن کے خلاف دانستہ خاموشی نے آزادی، ترقی اور معیار زندگی میں مسلسل و مستقل اضافے کی اقدار کو یورپ کے عیسائیوں کے لیے ایک فطری طرز زندگی بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

جدیدیت کے اہم مفکرین

جدیدیت کے اہم مفکرین ڈیکارٹ، اسپینوزا، لائبنز، لاک، برکلے، ہیوم، ہیگل مارکس، فختے، روسو، والٹیر، ٹاکوویلی ہابس، کانٹ وغیرہ ہیں کانٹ نے ہیوم سے اثر پذیر ہوکر تجربیت وعقلیت کے آمیزے سے وہ فلسفہ علم پیش کیا جس کے نتیجے میں سائنٹفک میتھڈ کے معیار پر نہ اترنے والے علوم علم کی اقلیم سے خارج کردیئے گئے، اس نے مابعد الطبیعیات کا انکار نہیں کیا صرف یہ کہا کہ ہمارے پاس وہ ذرائع اسباب وسائل ہی نہیں ہیں جن سے ہم ماوراء الطبیعیاتی امور تک رسائی حاصل کرسکیں، جدیدیت کو سمجھنے کے لیے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ فائدہ مند رہے گا

1) The dilecties of Enlightement Adarno 2) One dimensional man. Marcuse

3) What is enlightenment. Kant (Article) 4) What is enlightenment? Foucault (Article)

5) Cultural Contradictions of Capitalism Danial bell 6) The betrayal of Tradition Hana Arent.

انسان اٹھارہویں صدی سے قبل/انسان اٹھارہویں صدی کے بعد

اٹھارہویں صدی سے پہلے دنیا قدیم تھی جو اٹھارہویں صدی کے بعد ایک دم جدید ہوگئی اس جدید دنیا کے بنیادی اعتقادات، نظریات، ایمانیات کیا تھے، مختصراً دیکھ لیتے ہیں۔

☆ ہر تہذیب کا انسان کسی نہ کسی بالاتر و برتر اعلیٰ ہستی کی پرستش کرتا تھا۔ اب انسان خود اپنی پرستش کرنے لگا۔

☆ ہر تہذیب کا انسان کسی نہ کسی بالاتر و برتر اعلی ہستی کی پرستش کرتا تھا۔ اب انسان خود اپنی پرستش کرنے لگا۔

☆ علم باہر سے، خارجی ذریعے سے، روایت سے، وحی سے یا آسمان سے آتا تھا۔ اب علم خود انسان سے عقل سے میسر آنے لگا۔

☆ انسان علم کے لیے خارج کا محتاج تھا۔ اب انسان علم کیلئے کسی خارج کا نہیں صرف داخل کا، عقلیت کا محتاج ہے۔

☆ کائنات خدا کا مرکز تھی۔اب کائنات انسان کا مرکز ہوگئی۔

☆ اصل علم حقیقت الحقائق کا علم تھا۔اب اصل علم سرمایے میں اضافے کا علم قرار پایا۔

☆ مابعد الطبیعیات پہلے تھی علمیت مابعد الطبیعیات سے نکلتی تھی۔اب علمیت پہلے آگئی کہ ہمارے ذرائع علم کیا ہیں؟ اور ہم ان سے کیا جان سکتے ہیں کیا نہیں جان سکتے؟ اس علمیت سے مابعد الطبیعیات نکالی گئی لہٰذا مابعد الطبیعیات کا علم علمیت کے دائرے سے باہر ہوگیا اور جہالت شمار کیا گیا۔

☆ انسان روشنی رہنمائی کیلئے خارج، آسمان، وحی، نبی، بڑے آدمی کی طرف دیکھتا تھا کیونکہ ہر آدمی علم میں خود کفیل نہ تھا۔اب انسان اپنی رہنمائی کیلئے صرف اپنی طرف دیکھنے کا پابند ہوا تمام خارجی ذرائع علم لایعنی ٹھہرے انسان پیغمبر باطن کے ذریعے ذاتی علم میں خود کفیل ہوگیا، ریاست کا علم فلاسفہ سے لینے لگا۔

☆ مابعد الطبعیات کا علم اہم ترین تھا۔اب طبیعیات کا علم اہم ترین ہوگیا، لہٰذا Metaphysics of Presence وجود میں آئی۔

☆ دنیا غیر اہم آخرت سب سے اہم تھی، دنیا کو انسان آخرت کی کھڑکی سے دیکھتا تھا۔اب صرف دنیا اہم تر ہوگئی آخرت خارج ہوگئی، خدا ختم کر دیا گیا، مذاہب کو جہالت قرار دیا گیا۔

☆ علم اور زندگی کا مقصد آخرت میں کامیابی تھا۔اب علم اور زندگی کا مقصد صرف اور صرف دنیا میں کامیابی رہ گیا۔

☆ انسان خدا کی عبادت کرتا تھا، اس کیلئے عبادت گاہ جاتا تھا۔اب انسان خود اپنی عبادت کرنے لگا اور کسی عبادت گاہ میں جانے کی ضرورت نہ رہی۔

☆ انسان علوم نقلیہ کو اہم علوم عقلیہ کو غیر اہم سمجھتا تھا علوم عقلیہ یعنی مال کمانے کے علم کو علوم کی تلچھٹ سمجھا جاتا تھا، مال جمع کرنا زیادہ سے زیادہ تمتع فی الارض کرنا غیر اخلاقی کام تھے ہر تہذیب کے بڑے لوگ انبیاء، فلاسفہ، علما سادہ فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے فقر پر فخر کرتے تھے۔ اب صرف علوم عقلیہ اہم قرار پائے سب سے اہم علم وہ جس سے سب سے زیادہ مال کمایا جا سکے مذہب، علوم نقلیہ علوم کی تلچھٹ میں بھی شمار نہیں کیے گئے انھیں علم کے دائرے سے باہر نکال دیا گیا، اعلیٰ معیاری عالی شان زندگی گزارنا اصل مقصد ہوگیا۔

☆ علم کی بنیاد یقین تھی۔اب علم کی بنیاد ڈیکارٹ کے بعد شک پر رکھی گئی ایسا طریقہ علم جو شک سے یقین تک پہنچائے لہذا ڈیکارٹ کے بعد تمام فلسفی ریب وشک میں ہی گرفتار رہے۔

☆ مابعد الطبیعیات پانچ بنیادی سوالات سے بحث کرتی تھی، میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ کہاں جاؤں گا؟ مجھے کس نے پیدا کیا؟ میرا انجام کیا ہے؟ اب مابعد الطبیعیاتی سوالات کی جگہ حاضر و موجود دنیا کی مابعد الطبیعیات Metaphysic of Presence آ گئی۔

☆ حفظ مراتب کی تہذیب تھی مراتب وجود متعین تھے مغربی مساوات نہ تھی۔ اب فرد آزاد ہو گیا سب افراد مساوی ہو گئے، کسی کے لیے تکریم باقی نہ رہی۔

☆ ترقی اور معیار زندگی میں اضافہ قابل قدر کام نہیں تھے۔ اب ترقی اور معیار زندگی میں اضافہ ہی اصل قابل قدر کام قرار پائے۔

☆ نفس انسانی روحانی Soul تھا۔ اب نفس انسانی میں Soul کی جگہ اسپرٹ، مائنڈ، شعور، ذہن، سائیکی نے لے لی۔

☆ علمی تناظر بتاتا تھا کہ حقیقت کا ڈھانچہ موجود ہے ہمارا ذہن اگر اسے اسی طرح پہچان لے جیسا کہ حقیقت ہے تو ہم حقیقت کو پہچان لیں گے حقیقت موجود ہے انسان خالق حقیقت نہیں نہ حقیقت خلق ہوسکتی ہے۔ اب کانٹ نے بتایا کہ حقیقت کا کوئی ڈھانچہ کائنات میں موجود نہیں اصل حقیقت تو میرا ذہن ہے جو حقیقت کو ڈھانچے مہیا کرتا ہے، انسان حقیقت کا حامل ہی نہیں حقیقت کا خالق و عالم بھی ہے میں جو خلق کرتا ہوں وہی حقیقت ہے میں دنیا کو ویسا بنادوں گا جیسا بنانا چاہوں گا۔

☆ دنیا عارضی تھی۔ اب دنیا ابدی Eternal ہوگئی۔

☆ لوگ خدا کی پرستش اور آخرت کی جستجو کرتے تھے۔ اب لوگ اپنی پرستش اور سرمایہ و دنیا کی جستجو کرنے لگے۔

☆ انسان تسخیر قلوب کرتا تھا۔ اب انسان تسخیر کائنات میں مصروف ہوگیا۔

☆ خیر و شر کے پیمانے متعین تھے۔ اب خیر و شر ذہن انسانی عقلیت سے دریافت کرسکتا ہے ہر زمانے کے خیر و شر مختلف ہوسکتے ہیں۔

☆ خدا کو تسلیم کرنے کے باعث لوگ ثواب اور عذاب کے قائل تھے گناہ کا وجود تھا اور ہر گناہ Guilt خلش ہوسکتا تھا۔ اب خدا کو خارج کر دیا گیا تو گناہ و ثواب بھی بے معنی ہوگئے گناہ Sin کی جگہ Guilt خلش نے لے لی، واضح رہے کہ ہر خلش گناہ نہیں ہوتی۔

☆ گناہ گار لوگ نیک لوگوں سے رجوع کرتے تھے اور اعتراف گناہ کرتے تھے عبادت گاہ مثلاً کلیسا جاتے تھے وہاں عالم موجود ہوتا تھا۔ اب خلش میں مبتلا لوگ کلیسا کے بجائے نفسیاتی ماہرین اور

ان کے کلینک سے رجوع کرنے لگے دین کے عالم کی جگہ یہاں سائیکوتھراپسٹ آ گیا۔

☆ عورت حیاء دار تھی عفت وعصمت اس کا زیور تھا۔ اب حیاء کی جگہ شرم (Shame) اور خلش (Guilt) نے لے لی، حیا (Modesty) تہذیب سے خارج ہوگئی۔

☆ آزادی معیار، منہاج اور قدر نہیں صرف صلاحیت تھی۔ اب آزادی معیار، منہاج، قدر، اصول، عقیدہ اور ایمان بن گیا۔

☆ انسان اقدار و روایات، اساطیر، الہام، وحی، مذہب، اتھارٹی کا پابند تھا۔ اب انسان پبلک لائف میں صرف ارادہ عامہ General will کا تابع ہوگیا اور ذاتی زندگی کے دائرے میں مطلق آزاد خودمختار ہوگیا۔

☆ بندگی قدر تھی لوگ عبد تھے کسی کو جواب دہ تھے۔ اب آزادی قدر ہوگئی لوگ خود خدا ہوگئے اور کسی کو جواب دہ نہیں رہے۔

☆ علوم نقلیہ کو عروج ملا عالم وہ کہلاتا تھا جو حقیقت الحقائق اور مابعد الطبیعیات کا عالم ہو۔ اب علوم عقلیہ کو رواج ملا عالم وہ کہلایا جو زیادہ سے زیادہ پیسے کما سکے سب سے زیادہ پیسہ سٹے باز، بینکر، اور تفریحات فلم کی صنعت کے لوگ کماتے ہیں۔

☆ لوگ خدا کی معرفت، قربت، خوشنودی کو سب سے اہم کام سمجھتے تھے۔ اب لوگ دولت سرمایہ کے حصول اور خواہش نفس کی تکمیل کو سب سے اہم کام سمجھنے لگے۔

☆ لوگ کسی خیر، کسی الحق اور نجات کے لیے جیتے تھے۔ اب لوگ اب صرف خود کیلئے جیتے ہیں۔

☆ لوگ ایثار قربانی، خدمت، محبت میں لذت محسوس کرتے تھے۔ اب لوگ ان اقدار کو احمقانہ سمجھنے لگے۔

☆ فرد خاندان، قبیلے، گروہ میں رہ کر اجتماعیت کے ذریعے اپنا اظہار کرتا تھا اس کی شناخت وہ خود نہیں تھا۔ اب ہر فرد آزاد ہوگیا ہے انفرادیت پرستی نے سب کو جدا جدا کر دیا اب لوگوں کی شناخت پیشے سے ہوتی ہے انجینئر، ڈاکٹر، سائنسدان، پروفیسر، ٹیچر، وغیرہ اسی لیے لوگ وزیٹنگ کارڈ مانگتے ہیں۔

☆ عالم اسے کہا جاتا تھا جس کی صحبت میں بیٹھ کر خدا یاد آئے، دنیا، دنیا کی لذتیں، نعمتیں حقیر نظر آنے لگیں اور خدا کی محبت تمام محبتوں پر غالب آ جائے۔ اب عالم اسے کہا جاتا ہے جو دنیا کا علم سکھا سکے جس کے ذریعے زیادہ سے زیادہ پیسہ کمایا جا سکے اس کے سوا تمام علوم جن سے پیسہ نہ ملے وہ جہالت قرار پائے۔

☆ آزادی، ترقی، مال سے مال بنانا مقصد تھا نہ اصول نہ ضرورت ہر عمل کی بنیاد صرف آخرت میں

نجات تھا، آزادی آخرت کی نفی ہے ترقی کا اصول نفس غیر مطمئنہ کے حصول کا سبب ہے مال سے مال بنانا نجات کے منافی تھا۔ اب آزادی ترقی اور سرمایہ سے سرمایہ کمانا ہی مقصد اصول ہدف ہے ہر عمل کی بنیاد صرف یہ ہے کہ اس سے آزادی میں لذت میں اضافہ ہوا یا نہیں۔

جدیدیت میں انسان پرستی کی مختلف شکلیں

انفرادی انسان پرستی Individual human worship لبرل ازم، لیبریٹرین اس مکتب فکر میں فرد کی آزادی کے دائرے کو وسیع کرنا سب سے اہم قدر ہے اس مکتب فکر کے یہاں آزادی کا انفرادی دائرہ اجتماعی دائرے کے مقابلے میں اہم ہے لہذا یہ مکتب فری مارکیٹ پر یقین رکھتا ہے، آزادانہ مقابلہ کا قائل ہے ہر فرد کو اس کی صلاحیت کے مطابق مارکیٹ سے حصہ ملنا چاہیے، Each according to his ability اس مکتب کے یہاں منفی آزادی (Negative Freedom) کا تصور ملتا ہے۔

اجتماعی انسان پرستی Collective human worship

نیشنل ازم (قوم) سوشل ازم (کلاس) فاشزم (فرد کی پرستش اجتماعیت کیلئے) ریس ازم (نسل) کمیونزم، کمیونٹی Feminism عورت (Gender) فاشزم اجتماعیت کی وہ شکل ہے جہاں اجتماعیت کسی ایک فرد میں حلول کر جاتی ہے فرد کی پرستش اس اجتماعیت کی راست پرستش ہے اجتماعیت کا اظہار کسی ایک فرد کی پرستش کی صورت میں ہوتا ہے جو نجات دہندہ ہوتا ہے مسولینی، اسٹالن، الطاف حسین اسکی مثال ہیں۔ انسان پرستی کی یہ دونوں شکلیں اصلا آزادی کے تصور کی دو شکلیں ہیں انفرادی آزادی جسے Negative Freedom کہا جاتا ہے دوسرا اجتماعی آزادی جسے Positive Freedom کہا جاتا ہے لبرل ازم وغیرہ منفی آزادی کے حامل ہیں جہاں فرد کو زیادہ سے زیادہ آزادی دی جاتی ہے مثبت آزادی کے حاملین میں انارکزم، فیمن ازم، نیشنل ازم، فاشزم، سوشلزم وغیرہ ہیں جہاں اجتماعیت کے ذریعے کسی گروہ یا طبقے یا صنف یا نوع یا نسل کی آزادی کا دعوی کیا جاتا ہے۔

جدیدیت کے علمیاتی اظہارات

☆ عقلیت و تجربیت۔ دونوں کا اختلاط ہوا جس سے سائنٹفک میتھڈ لوجی نکلی جو جدیدیت کی علمی توجیہ ہے۔

☆ رومانی تحریک Romanticism ☆ پس جدیدیت پوسٹ ماڈرن ازم۔

جدیدیت کی مابعد الطبیعیاتی تشریحات Realism Idealism Materialism وغیرہ وغیرہ ان سب میں مشترک قدر انسان پرستی ہیومن ازم ہے All isms۔under the condition of humanism لیکن کوئی مابعد الطبیعات علمی بنیادوں پر یقینی دعوی نہیں کرسکتی لہٰذا مابعد الطبیعات کی علمی بنیاد ہی نہیں رہی۔

مولانا حذیفہ وستانوی *

برصغیر پاک و ہند میں
صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے اولین نقوش

الحمدللہ! جس خطہ میں ہم اہل ہند آباد ہیں وہ ایک ایسا خطہ ہے جو ابتداء آفرینش سے ہی انبیاء اور رسولوں سے وابستہ ہے جس کی برکتوں سے اسلام اس دورِ پرفتن میں اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ مسلمانانِ ہند کے قلب وجگر میں آباد ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ بعض احادیث کے مطابق حضرت سیدنا وابونا آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہبوط سرزمین ہند پر ہوا اور بعض روایات کے مطابق آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سرزمین مکہ پر اُتارے گئے، پھر بیت اللہ کی تعمیر کے بعد سرزمین ہند کی طرف تشریف لائے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرزمینِ ہند کو ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے۔ صرف یہی نہیں چونکہ یہ خطہ تاریخ بشر کے آغاز ہی سے آباد ہوتا چلا آیا ہے اس سے آدم علیہ السلام کے بعد بھی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام کی بعثت وقفہ وقفہ سے یہاں ہوتی رہی ہوگی جیسا کہ سرہند کے قریب ایک دیہات میں دونبیوں حضرت ابراہیم اور حضرت خضر علیہما الصلوٰۃ والسلام کی قبریں آج بھی موجود ہے، یہ دونوں مذکورہ انبیاء علیہما الصلوٰۃ والسلام والد اور صاحبزادے تھے، صرف اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ نبی آخرالزماں علیہ الف الف تحیۃ وسلام کی بعثت کے ابتدائی مراحل ہی میں اسلام اہل ہند تک پہنچ چکا تھا جیسا کہ بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا کہ ہندوستان کے شہر ''قنوج'' کا بادشاہ سرباتک معجزۂ شق القمر کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا، اسی طرح بعض روایات ہیں کہ ایک اور ہندی صحابی بابارتن ہندی کی ملاقات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چند احادیث کی روایت بھی ثابت ہے، آج بھی بابارتن ہندی کا مزار مشرقی پنجاب کے شہر بھنڈہ میں موجود ہے۔

---

* استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار (مہاراشٹر)

اسی طرح ایک ہندوستانی بادشاہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفہ بھیجنا بھی ثابت ہے جیسا کہ محدث کبیر حاکم نیشاپوریؒ نے اپنی کتاب ”المستدرك“ میں اس واقعہ کو ذکر کیا ہے، اسی طرح اہل سرندیپ نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عقلمند، ذی شعور اور ذکی الفطرت شخص کو تعلیمات نبویہ کے مشاہدے کے لئے عرب تاجروں کے ساتھ روانہ کیا تھا، جب وہ مدینہ پہنچا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دارِفانی سے دارِ باقی کی طرف رحلت فرما چکے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی، اور حضرت عمرؓ خلیفہ منتخب ہو چکے تھے، اس شخص نے اپنے وطن لوٹ کر تعلیمات اسلامیہ کی بہت تعریف کی، اہل سرندیپ اس سے بہت متاثر ہوئے، اس کی برکتیں ہیں جو آج مالدیپ مملکت اسلامیہ کی صورت میں آباد ہے، اس طرح جنگ یمامہ کے بعد حضرت علیؓ کے حصہ میں آنے والی ایک خاتون ”خَوْلَۃ سندیه حنفیه“تھی، جس کے بطن سے آپ کے ایک صاحبزادے محمد بن حنفیہؒ پیدا ہوئے، علامہ ابن خلکان نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ”وفیات الاعیان“ میں خولہ کا ہندیہ ہونا ثابت کیا ہے، یہ تو وہ واقعات تھے جن سے بعض اہل ہند کا انفرادی طور پر اسلام میں داخل ہوکر السابقون الاولون کی فہرست میں شامل ہونے کا شرف حاصل کرنا ثابت ہوتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آمد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس نبوت ورسالت سے آراستہ کئے جانے کے بعد چونکہ جزیرۃ العرب کے کافر ومشرک یہود ونصاریٰ کی جانب سے شدید مخالفت کا سامنا تھا، لہٰذا انہیں لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کی سعی میں مشغول رہے اور جس میں الحمدللہ آپ سو فیصدی ہی نہیں بلکہ ہزار اور لاکھ فیصدی کامیاب رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ رسالہ بے مثال جدوجہد کے نتیجہ میں پورا جزیرۃ العرب اسلام میں داخل ہوگیا، صرف داخل ہی نہیں بلکہ آپ کی صحبت کی برکت اور جانبین کی اخلاص کی وجہ سے مکمل طور پر تعلیمات نبویہ سے سرشار ہو گئے اور ہر اعتبار سے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھل گئے، یہاں تک کہ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے انہیں اپنی رضا کا پروانہ دے دیا اور رضی الله عنهم ورضوا عنه اور صحابہ جیسے عظیم القاب سے یاد کئے جانے لگے جو انبیاء علیہم السلام کے بعد بنی آدم کے افضل ترین رتبہ پر فائز ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دارِفانی سے دارِ باقی کی طرف رحلت فرما جانے کے بعد تبلیغ کو انہوں نے اپنا مشن بنائے رکھا اور یہ تہیہ کرلیا کہ پیغامِ حق سے پوری دنیا کو سرشار کریں گے اور الحمدللہ ہمارے صحابہؓ نے یہ صرف کہا نہیں بلکہ کر دکھایا۔ اے اللہ! صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

پر اپنی بے پایاں رحمتیں نازل فرما اوران کی محبت سے ہمارے قلوب کو سرشار فرما۔آمین۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے،مگر چونکہ آپ کا دور''فتنۂ ارتداد'' سے دوچار ہوا لہٰذا اس کی سرکوبی میں مختصر سا مگر بابرکت دور پورا ہوگیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہندوستان کی جانب توجہ کا موقع نہیں مل سکا اور رفیقِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے، رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

خلیفۂ اول حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال پرملال کے بعد حضرت عمرفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئے، چونکہ حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے داخلی فتنوں کو اپنی حکمت عملی اور کامیاب تدابیر سے نسیاً منسیًا کردیا تھا، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اب کسی داخلی فتنہ سے خطرہ نہ تھا، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی مکمل توجہ دین اسلام کو اقوامِ عالم تک پہنچانے میں صرف کی اور الحمدللہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے ہدف کو حاصل کرنے یعنی دور دور علاقوں میں اقوامِ عالم تک دین اسلام کو پہنچانے میں کامیاب رہے۔

سرزمین پاک وہند پرصحابہ کےاولین نقوش

امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت پر فائز ہونے کے چار سال بعد سن ۱۵ہجری میں حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ کو بحرین اور عمان کا والی مقرر کیا، حضرتِ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے برادرمحترم حضرت حکم بن ابی العاص رضی الله عنه کو ایک لشکر کا کمانڈر بنا کر ہندوستان کی بندرگاہ تھانہ اور بھروچ کیلئے روانہ کیا اور اپنے دوسرے بھائی "مغیرہ بن ابی العاص ثقفی رضی اللّٰه عنه" کو فوج دے کر''دیبل (کراچی)'' کیلئے روانہ کیا،مگر یہ غیر مستقل جھڑپیں تھیں، کوئی مستقل فوج کشی اور جنگ نہیں تھی، اس لئے عام تاریخ کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا، اسی طرح ''مکران، کرمان، رن، بلوچستان، لسبیلہ، ملات، ملتان، لاہور، بنوں، کوہاٹ'' اور دیگر علاقوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی مقدس جماعت کا ورودِ مسعود تاریخ کی بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے۔

مؤرخ اسلامی علامہ قاضی محمد اطہر مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق سرزمین ہند کو سترہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی قدم بوسی کا شرف حاصل رہا ہے، جبکہ دورِ حاضر کے

مؤرخ محمد اسحاق بھٹیؒ کی تحقیق کے مطابق پچیس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے اقدامِ مبارکہ کی قدم بوسی سرزمین ہند کو حاصل ہوئی، اس طرح قاضی اطہر مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ تابعین کے ورودِ مسعود کا ذکر کرتے ہیں (خلافت راشدہ اور ہندوستان)اور محمد اسحاق بھٹی صاحب ۴۲؍تابعین اور ۱۸؍تبع تابعین کے ورودِ مسعود کا تذکرہ کرتے ہیں۔(برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش)

اب یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان صحابہ کے نام ہی ذکر کردیئے جائیں جن کا ورودِ مسعود ہندوستان کی سرزمین میں ہوا:

(۱) حَکَم بن ابی العاص (۲)حَکَمُ بن عمرو ثعلبی غفَاری (۳) خریت بن راشد ناجی سامی (٤)رُبَیَّعُ بن زیاد حارثی مَذْحَجِی (٥)سنان بن سلمه هذَلی (٦) سهل بن عدی خزرجی انصاری (٧) صحّار بن عباس عبدی (٨) عاصم بن عَمرو تمیمی (٩)عبدالله بن عبدالله بن عِتبان انصاری (١٠)عبدالله بن عمیر اَشجعی (١١)عبدالرحمن بن سمُره قرشی (١٢)عبیدالله بن معُمَر قرشی تیمی (١٣)عثمان بن ابی العاص ثقَفِی (١٤) عُمیر بن عثمان بن سعد (١٥)مجاشع بن مسعود سَلَمِی (١٦) مغیره بن ابی العاص ثقفی (١٧) منذر بن جارود عبدی (رضی الله عنهم اجمعین) اللهم اجزهم عنا هؤلاء الصحابة احسن ما جازیت به عبادك الصالحین و انزل علیهم شأبیب رحمتك و رضوانك و اجعلنا معهم یوم الحشر و الحساب و فی الجنه و وفقنا باتخاذهم قدوة لنا فی الدنیا آمین یا رب العالمین!

یہ سترہ اسماءِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ جس کو قاضی اطہر مبارکپوریؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تالیف ''خلافت راشدہ اور ہندوستان'' میں تحریر فرمایا۔ اللہ رب العزت، قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی جزاء خیر عطا فرمائے کہ جنہوں نے بڑی جدوجہد اور کاوشوں کے بعد، ان صحابہ کے اسماء مبارکہ کو جمع کیا۔اس کے علاوہ اور چند اسماء مبارکہ کو، محمد اسحاق بھٹی صاحبؒ نے اپنی تالیف لطیف ''برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش'' میں تحریر فرمایا ہے وہ یہ ہیں:

(١٨) شهاب بن مخارق بن شهاب تمیمی (١٩)نسیر بن دیسم بن ثور عجلی (٢٠)حکیم بن جبله اسدی (٢١)کلیب ابووائل (٢٢)مُهَلَّبُ بن ابوصفره ازدی عتکی (٢٣)عبدالله بن سوّار عبدی (٢٤)یاسر بن سوّار عبدی (٢٥)عبدالله سُوَیْد تمیمی (رضوان الله تعالی علیهم اجمعین)

ان میں بعض صحابہ کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ وہ صحابی ہیں یا تابعی؟ صحابہ کے بعد امت کا بہترین طبقہ، تابعین کا ہے اور الحمدللہ تابعین رحمہم اللہ بھی اعلاءِ کلمۃ اللہ کی غرض سے ہندوستان کی سرزمین پر تشریف لائے تو آیئے! اب ان تابعین کے نام معلوم کرتے چلیں:

(۱)حضرت ثاغر بن ذعر (۲)حضرت حارث بیلمانی (۳)حضرت حکیم بن جبلہ، قاضی صاحب نے ان کو تابعی اور محمد اسحاق بھٹی صاحب نے صحابہ میں شمار کیا ہے (۴)حضرت حسن بن ابوالحسن یسار بصری (۵)حضرت سعید بن ہشام انصاری (۶)سعید بن کندیہ قشیری (۷) شہاب بن مخارق تمیمی (۸)صفی بن فسیل شیبانی (۹)نسیر بن وسیم عجلی یہ بھی مختلف فیہ ہیں، محمد اسحاق بھٹی صاحب نے دیگر تابعین کے اسماء تحریر فرمائے ہیں وہ یہ ہیں: (۱۰)ابن اُسید بن اَخنس (۱۱)ابوشیبہ جوہری (۱۲)حاتم بن قبیصہ (۱۳)راشد بن عمرو الجدیدی (۱۴)زائدۃ بن عمیر طائی (۱۵)زیاد بن حواری عمی (۱۶)ابوقیس زیاد بن رباح قیسی بصری (۱۷)حکم بن عوانہ کلبی (۱۸)معاویہ بن قرۃ مُزنی بصری (۱۹)مکحول بن عبداللہ سندھی (۲۰)عبدالرحمٰن بن عباس (۲۱)عبدالرحمٰن سندھی (۲۲)قطن بن مدرِک کلابی (۲۳)قیس بن ثعلبہ (۲۴)کمس بن حسن بصری (۲۵)یزید بن ابوکبشہ سکسکی دمشقی (۲۶)موسیٰ سیلانی (۲۷)موسیٰ بن یعقوب ثقفی (۲۸)عبدالرحمٰن رِندی (۲۹)عبدالرحمٰن بیلمانی (۳۰)عمر بن عبیداللہ قرشی تیمی (۳۱)شمر بن عطیہ اسدی (۳۲)سعید بن اسلم کلابی (۳۳)حباب بن فضالہ ذُہلی (۳۴)عبدالرحمٰن بن عبداللہ کواَعشی (۳۵)حارث بن مرہ عبدی (۳۶)ایوب بن زید ہلالی (۳۷)حری بن حری باہلی (۳۸)عباد بن زیادہ اُموی (۳۹)یزید بن مفرغ حمیَری (۴۰)ربیع بن صبیح سُعْدی بصری (۴۱)مجاعۃ بن سعر تمیمی (۴۲)عطیہ بن سعد عوفی (۴۳)ابوسالمہ زُطی (۴۴)محمد بن قاسم ثقفی (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)۔

یہ وہ نفوسِ قدسیہ تھے جنھوں نے اِعلاء کلمۃ اللہ اور ابلاغِ دین اسلام کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردیا اور ہم اہل ہند کو اسلام کی تعلیماتِ صحیحہ سے روشناس کیا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ہم لوگوں کو بھی جاہلیت قرن عشرین کی تاریکیوں سے محفوظ فرما کر، دوسروں کے لئے ہدایت کا باعث بنا دے، ہمیں ہمارے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

سرزمین ہند کی جانب تبع تابعین

(۱)اسرائیل بن موسیٰ بصری (۲)کرز بن ابوکرز عبدی (۳)معلّٰی بن راشد بصری (۴)جنید بن عمرو العدوانی المکی (۵)محمد بن زید عبدی (۶)محمد بن غزان کلبی (۷)ابوعیینہ ازدی (۸)سندی بن شماس السمان بصری (۹)عبدالرحیم دیبلی سندھی (۱۰)عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی (۱۱)عبدالرحمٰن بن السندی (۱۲)عمرو بن عبید بن باب السندی (۱۳)فتح بن عبداللہ سندھی (۱۴)قیس بن بسر سندی النصری (۱۵)ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مدنی (۱۶)محمد بن ابراہیم بیلمانی (۱۷)محمد

بن حارث بیلمانی (۱۸) یزید بن عبداللہ قرشی سندھی۔ (برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش)

ع اللہ رحمت نازل کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام صحابہؓ، تابعین، اور تبع تابعین کی انتھک محنتوں کے بعد برصغیر ہندو پاک تک پہنچا برصغیر میں اسلام دو طریقے سے پھیلا: (۱) تبلیغ کے ذریعہ (۲) جہاد کے ذریعہ۔

سراندیپ، کلکپدیپ، مالدیپ، مالابارہ، جزیرہ جاوا، سُماترَہ، سنگاپور، ملایا، کالی کٹ وغیرہ میں اسلام انصاف اور مساوات پر مشتمل تعلیمات کی وجہ اور علاقوں کے بادشاہوں کے زمانہ قدیم سے، اہلِ عرب سے تجارتی تعلقات کی وجہ سے بغیر کسی جہاد و جنگ کے بہت تیزی سے اسلام پھیلا۔ عرب کے تجاروں میں سے مشرف بن مالک اور مالک بن دینار اور مالک بن حبیب کا بھی ان علاقوں میں اسلام کی تبلیغ میں بڑا کردار رہا، مسلمانوں کی کثرت کو دیکھ کر، مالک بن دینار وغیرہ نے کدنکلور کالیکٹ میں، مسجد بھی تعمیر کروائی، ان مذکورہ مسلمان تاجروں کی محنت کے سبب اسلام ساحلی کارومنڈل تک پھیل گیا اور بکثرت مسجدیں بھی بنائی گئیں؛ گویا یہ تمام علاقے حضرت محمد بن قاسم ثقفیؒ کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے سے قبل ہی اسلام میں داخل ہوگئے ولله الحمد علی ذالكاللہ ہمارے ان مسلمان تاجروں کو اس کا بہترین بدلہ آخرت مین عطا رفرمائے۔ (آمین یا رب العالمین)

علاقۂ سندھ، جس کا اطلاق قدیم دور میں ایک عظیم مملکت پر ہوتا تھا، یہ مملکتِ سندھ، موجودہ سندھ سے مغرب میں مکران تک، جنوب میں بحرعرب اور گجرات تک، مشرق میں مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک، شمال میں ملتان سے اوپر گزر کر جنوبی پنجاب کے علاقہ تک پھیلا ہوا تھا۔ (فتوح الہند) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ سندھ میں مسلمانوں کی آمد کا آغاز عہدِ فاروقیؓ کے ابتداء ہی سے ہو چکا تھا، جس کے اولین محرک حضرت عثمان بن ابی العاصؓ تھے جنہوں نے اپنے دو بھائی حکم بن ابی العاص اور مغیرہ این ابی العاص کو اس خطہ میں روانہ کیا تھا، پھر حضرت عثمانؓ نے بھی ہندوستان میں صدائے ''لا إله الله'' کی گونج کے لئے اور حالات دریافت کرنے کے لئے فوج روانہ کی، مگر جنگ کی نوبت نہ آئی، پھر حضرت علیؓ کے عہد میں حارث بن مرہ عبدی، سرہند پر حملہ آور ہوئے، پھر حضرت معاویہؓ کے عہد میں ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ حملہ کرنے کی غرض سے آئے اور فاتح ہوئے، اسی لیے ''تاریخ فرشتہ'' کے مصنف نے اسلام پر پہلی منظم جنگ کا شرف اُنہیں کے سر باندھا ہے مگر یہ حملے چھوٹے چھوٹے تھے، بڑا حملہ حجاج کے اشارے پر محمد بن قاسم ہی نے ۹۲ھ میں کیا، اور اقل قلیل مدت میں وہ پورے سندھ کو فتح کرلیا، مگر بدقسمتی سے سلیمان بن عبد الملک نے حجاج کے ساتھ اپنے

اختلافات میں، محمد بن قاسم جیسے جواں مرد اور نیک صفت مجاہد اسلام کو، بلی کا بکرا بنا دیا إن لله وإنا اليه راجعون محمد بن قاسم نے دیبل کو فتح کرنے کے بعد، وہاں جامع مسجد تعمیر کروائی، چار ہزار عربوں کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دے دیا، یہاں یہ بات قابل لحاظ رہے کہ ان فتوحات کے بعد بھی مسلمانوں نے اس بات کا حد سے زیادہ خیال رکھا کہ ہماری حکومت سے ملکِ سندھ کے کسی طبقہ کو بھی اذیت نہ پہنچے، مسلمانوں نے پست لوگوں کو اُبھارا تو سہی، مگر بلند لوگوں کو پست نہیں کیا، جیسا کہ عام فاتحین کا طریقہ ہوتا ہے، جس کا ذکر قرآن کریم نے بلقیس کے واقعہ میں کیا ہے، کہ ملکہ سبا بلقیس نے اپنے مشیروں سے کہا اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (النمل: ٣٤) محمد بن قاسم نے ایسا زبردست انصاف کیا کہ تاریخ ہند میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ قاضی کرتے تھے، لیکن ہندؤں کے لئے ان کی پنچایتیں بدستور قائم رہیں۔

محمد بن قاسم کی یہی رواداری اور انصاف تھا، جس کی وجہ سے ان کی مخالفت کم ہوئی، کئی شہروں نے خود بخود ان کی اطاعت قبول کر لی، بلکہ بلاذری تو لکھتا ہے، کہ جب محمد بن قاسم قید ہو کر عراق بھیجے گئے تو ہندوستان کے لوگ روتے تھے اور علاقۂ کچھ گجرات کے لوگوں نے ان کا مجسمہ بنایا۔

محمد بن قاسم جیسے مردِ مجاہد کے بعد، سرزمیں ہند پر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے یزید بن مہلب نے بھی اپنی خدمات انجام دیں، قبل اس کے ہم دیگر مجاہدین ومصلحین کا اجمالی تذکرہ کریں، قبیلہ ثقیف کی قابلِ قدر خدمات جو انہوں نے سرزمین ہند پر اسلام پہنچانے کے سلسلے میں کی، جس کا آغاز ۱۵ھ سے حضرت عثمان بن ابی العاص اور حکم بن ابی العاص اور مغیرہ بن ابی العاص الثقفیونؓ سے ہوتا ہے اور اختتام حجاج بن یوسف اور محمد بن قاسمؒ پر ہوتا ہے؛ قبیلہ ثقیف کے اہل ہند پر احسان عظیم کے سلسلہ میں مؤرخ کبیر ومحقق عظیم قاضی اطہر مبارکپوری کی عبارت پڑھنے کے قابل ہے۔

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہندوستان طائف اور اس کے قبیلہ بنوثقیف کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا ہے، جس نے ہندوستان کو اپنی دینی وروحانی توجہ کا مرکز بنا کر جب بھی اسے اقتدار ملا اس کی طرف رخ کیا، عہد فاروقیؓ میں حضرت عثمانؓ نے بحرین وعمان کی گورنری پاتے ہی اپنے بھائیوں حکمؓ اور مغیرہؓ کو یہاں اسلام کی برکت دے کر روانہ کیا اور اُموی دورِ خلافت میں حجاج بن یوسف ثقفی نے عراق کی گورنری پا کر، اپنے جواں سال بھتیجے محمد بن قاسم کو خلافت کے زیر اہتمام باقاعدہ اسلامی فوج کے ساتھ ہندوستان روانہ کیا'' (عہد نبوی کا ہندوستان: ۲۴۶)

مؤرخ کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے قبیلہ بنوثقیف کے بارے میں، اہل ہند پر احسان عظیم ذکر کرنے کے ساتھ ہی ذہن اس واقعہ کی طرف منتقل ہوا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امام ابن کثیرؒ کی تحقیق کے مطابق ہجرت سے تین سال قبل یعنی ۱۰ھ/ نبوی یا ۱۱ھ/ نبوی میں طائف کے سفر کے دوران پیش آیا، جب کہ طائف کے اوباشوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لہولہان کر دیا تھا، جس کے بارے میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے استفسار کرنے پر فرمایا تھا:

ما لقيت من قومك كان اشد منه يوم العقبة إذ عرضت نفسي على بن عبد ياليل بن عبد كلال فلم يجب إلى ما اردت

(البدايه النهاية ج٣: ١١٠)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں (جنگِ احد کے بعد) ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے دریافت کیا

هل أتىٰ عليك يوم كان اشد عليك من يوم احد۔ (البداية والنهاية)

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ، پر اُحد سے زیادہ سخت دن کوئی گذرا،

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں احد سے بھی زیادہ سخت دن مجھ پر وہ تھا جب کہ (قبیلہ بنوثقیف کے سردار) عبد یالیل اور عبد کلال کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے میرے گمان کے خلاف مجھے جواب دیا، جب محزون وملول واپس ہوا، اور مقام ''قرن ثعلب'' پر پہنچا تو میں نے سر اٹھایا تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ بادل مجھ پر سایہ فگن ہے، پھر کچھ دیر بعد اسی بادل سے جبرئیل علیہ الصلاۃ السلام نے آواز دی اور کہنے لگے کہ اہلِ طائف نے آپ کے ساتھ جو سلوک کیا اللہ رب العزت نے اس کو دیکھا اور ملك الجبال کو آپکی خدمت میں بھیجا ہے، آپ اس کو جو چاہے حکم دے دیں، پھر "ملك الجبال"، نمودار ہوئے اور "سلام"، کیا اور کہنے لگے، اللہ رب العزت نے مجھے آپکی جانب ارسال فرمایا، اگر آپ حکم دیں تو اہلِ طائف اور قبیلۂ ثقیف کو دو پہاڑیوں کے درمیان پیس دیا جائے، مگر ہزار جان قربان رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ارجو أن يخرج الله من أصلابهم من يعبد اللهَ ولا يشرك به شيئاً مجھے امید ہے کہ اللہ ان کی نسلوں سے ایسے لوگوں کو پیدا فرمائیں گے، جن کی زبان پر توحید کے زمزمے ہوں گے اور جن کے سینے شرک کی آلائشوں سے صاف وشفاف ہوں گے، بس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

حیات طیبہ میں پیش آنے والا سخت ترین دن کی یہ دعا عرش معلٰی تک پہنچ گئی۔

مؤمن کی دعا پَر نہیں مگر طاقتِ پرواز رکھتی ہیں، ایک تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا دینا ہی کافی تھا اور وہ بھی سخت غم اور حزن کی حالت میں بھلا ایسی دعا کی قبولیت میں کیا شک ہوسکتا ہے، اسی دعا کا نتیجہ تھا کہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ اور اخیر میں محمد بن قاسم نے، ہندوستان کی شرک و کفر کی مسموم فضاء میں توحید خالص کے زمزمے اور صدائیں بلند کرنے کا فیصلہ کیا اور یوں عرب کے ریگستان سے طویل مسافت پر واقع ملک ہندوستان میں قبیلۂ ثقیف اسلام کی بنیادیں قائم کرنے میں کامیاب ہوا، قیامت تک اہل ہند کے کارہائے خیر کا ثواب قبیلۂ ثقیف کے میزانِ حسنات میں لکھا جاتا رہے گا، ان شاء اللہ۔ اہلِ ہنداس قبیلہ کا جتنا بھی شکر واحسان مانے کم ہے جزاهم الله عنا خير الجزاء واحسن الجزاء في الدنيا و الآخرة آمین یارب العالمین!

خلاصۂ کلام یہ کہ محمد بن قاسم الثقفی کی شہادت کے (مفتی شفیع صاحبؒ کی تحقیق کے مطابق) تین سو برس تک مسلمانوں نے ہندوستان پر کوئی بڑی جنگی کاروائی نہیں کی، البتہ اس دوران چھوٹے چھوٹے حملے ہوتے رہے، مثلاً محمد بن قاسم نے اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے، حکم کے دستِ راست بن کر فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا، پھر اسی کے بعد خلافت بنوامیہ کا خاتمہ ہوگیا اور خلافت عباسیہ ۱۳۲ھ مطابق ۷۵۰ء میں قائم ہوئی۔ خلافتِ عباسیہ کے دور میں ہشام ۱۴۰ھ میں سندھ کے علاقہ میں آیا اور کاٹھیاوار کے علاقہ کو اس نے فتح کیا اور اور گجرات میں سب سے پہلی مسجد بنوائی پھر شمال میں کشمیر کے بعض علاقوں کو فتح کیا۔ صاحب ''آبِ کوثر'' شیخ اکرم فرماتے ہیں کہ فتح سندھ کے سات سال تک تو عرب فاتحین کا پلہ بھاری رہا، مگر پھر یمنی اور حجازی آپسی عرب اختلاف کی وجہ سے غیروں نے فائدہ اٹھایا، چنانچہ جاٹوں نے شمالی سندھ میں اور جنوبی سندھ میں ''میڈ'' قوموں نے اپنا اثر ورسوخ قائم کر لیا اور ۲۳۷ھ مطابق ۸۵۴ء کے آنے تک پھر ہباری خاندان کی موروثی حکومت شروع ہوگئی پھر قرامطہ اسماعیلی شیعہ ۲۷۰ھ میں ملتان پر قبضہ ہوگیا۔

قرامطہ کے تسلط کے بعد سلطان محمد غزنوی ۳۶۷ھ ۹۹۷ء میں ہندوستان میں داخل ہوئے اور ایک عظیم اسلامی مملکت کی بنیاد ڈالی جو مختلف مراحل اور خاندانوں سے گذرتی ہوئی ۱۸۵۷ء تک باقی رہی سلطان ایک نیک دل عادل بادشاہ تھا سلطان غزنویؒ تاریخ اسلام کا ایک درخشندہ ستارہ ہے جس نے مملکت اور عیش کو مقصد نہیں بلکہ احیاء اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کو زندگی کا مقصد بنایا اور وہ اس میں الحمد للہ کامیاب رہا "اللهم أنزل شآبيب حرمتك عليه"۔

صاحبزادہ عبدالحق ثانی

دارالعلوم کے شب و روز

شہید ناموس رسالتؐ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی یوم شہادت کی مناسبت سے منعقدہ تقریب وزیرتعمیر جامع مسجد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے گراونڈ فلور کا افتتاح

۲ر نومبر: شہید اسلام و پاکستان شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی یوم شہادت کی مناسبت سے ان کی خدمات کو خراج تحسین اور خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی زیرتعمیر جامع مسجد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ میں بروز ہفتہ۲ نومبر کو ایک پروقار تقریب کا اہتمام کیا گیا، تقریب میں جامعہ کے مشائخ کے علاوہ جید علمائے کرام ،قراء ، حفاظ، نعت خواں اور عوام الناس نے کثیر تعداد میں شرکت کی ، ملک کے معروف قراء حضرات نے محفل حسن قرات وحمد نعت میں حصہ لیا ،تقریب سے والد مکرم مولانا حامد الحق حقانی مدظلہ نے شہید اسلام و شہید ناموس رسالتؐ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے انہیں بھرپور انداز میں خراج تحسین پیش کیا۔اسی طرح زیرتعمیر جامع مسجد حضرت مولانا عبدالحقؒ کے گراونڈ فلور کے وسیع ہال کے افتتاح پر طلباء کرام اور اس کارِ خیر میں شامل تمام حضرات کو مبارکباد دی اور بقیہ زیرتعمیر کاموں کی تفصیل بھی بیان فرمائی۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ نے نماز عصر کی امامت فرما کر باقاعدہ اس عظیم الشان ہال کا افتتاح کیا اور تفصیلی دعا فرمائی۔ تقریب میں شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ بابا جی، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحلیم دیربابا جی، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی، حضرت مولانا قاری محمد عمر علی ،حضرت مولانا راشد الحق،حضرت مولانا سید یوسف شاہ، حضرت مولانا سعید الرحمٰن ،حضرت مولانا مفتی غلام قادر، حضرت مولانا ظفر الحق ،حضرت مولانا سلمان الحق، حضرت مولانا عرفان الحق، حضرت مولانا لقمان الحق ،حضرت مولانا عبدالخالق ہزاروی، حضرت مولانا عبدالواحد ،حضرت مولانا ارشد علی قریشی ،مولانا اسامہ سمیع صاحبان سمیت دیگر اساتذہ جامعہ نے شرکت کی۔

حضرت مہتمم مولانا انوارالحق صاحب مدظلہ کی مصروفیات واسفار

۴/اکتوبر: حضرت مولانا پیرعزیز الرحمٰن ہزاروی مدظلہ کی والدہ کے جنازہ میں شرکت فرمائی اورتعزیتی خطاب بھی فرمایا، خطاب میں موت کے فلسفے پر پرمغز اور مدلل انداز میں گفتگو فرمائی اس ضمن میں والدین کے حقوق بھی تفصیلی بیان فرمائے۔

۶/اکتوبر: جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لے گئے جہاں پر جامعہ کے شوریٰ کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔

۱۳/اکتوبر: جامعہ حقانیہ کے ایک محسن اور معاون خصوصی جناب حاجی حیدرزمان کی والدہ کی وفات پر کوٹلی صالح خانہ تشریف لے گئے ،نماز جنازہ بھی پڑھایا،ان کی والدہ اوسلو ناروے میں رہائش پذیر تھیں اور میت یہاں لائی گئی۔

۱۷/اکتوبر: جامعہ حقانیہ کے فاضل اور مغلکی کے قدیم علمی خاندان کے ایک جید عالم حضرت مولانا عطاء الرحمٰن کی اچانک وفات پر مغلکی تشریف لے گئے ،رات کو جنازہ پڑھا، جنازہ میں کثیر علماء طلبا کے علاوہ عوام الناس نے بھی شرکت کی۔

۲۰/اکتوبر: ختم نبوت ضلع مردان کے زیراہتمام ہر سال عظیم الشان اور فقید المثال کانفرنس کا انعقاد کیا جاتا ہے، امسال بھی نویں سالانہ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے شرکت فرمائی اور ختم نبوت پر تفصیلی خطاب فرمایا۔

۲۷/اکتوبر: اکوڑہ خٹک کے قدیم تبلیغی کارکن اورموجودہ تبلیغی جماعت کے امیر جناب طارق صاحب کی وفات ہوئی ،حضرت مولانا انوارالحق صاحب مدظلہ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے،اس موقع پر حضرت مہتمم صاحب نے جنازہ پڑھایا اوردعا فرمائی۔

نائب مہتمم جامعہ حقانیہ حضرت مولانا حامدالحق حقانی صاحب مدظلہ کی مصروفیات

۴/اکتوبر: والدمحترم حضرت مولانا حامدالحق حقانی صاحب مدظلہ نے حضرت مولانا پیرعزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب مدظلہ کی والدہ کی نماز جنازہ میں شرکت کی اورتعزیتی خطاب فرمایا۔عم محترم حضرت مولانا راشدالحق سمیع مدظلہ بھی ہمراہ تھے۔

۱۵/اکتوبر: والدمحترم حضرت مولانا حامدالحق حقانی صاحب مدظلہ نے موضع طورومردان میں تقریب ختم القرآن میں بطورمہمان خصوصی شرکت وخطاب فرمایا۔

۲۰/اکتوبر: حضرت والدمحترم نے نشتر ہال پشاور میں انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ خیبرپختونخوا کی

جانب سے منعقدہ ’’ختم نبوت کانفرنس‘‘ میں بطور مہمان خصوصی شرکت اور خطاب فرمایا۔

مولانا حامد الحق حقانی صاحب مدظلہ کا پانچ روزہ دورہ کراچی

۲۰؍اکتوبر: والدمکرم مدظلہ کراچی تشریف لے گئے جہاں انہوں نے جمعیت علمائے اسلام (س) کے مرکزی نائب امیر پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا اسفندیار خان صاحبؒ کی وفات پران کے صاحبزادگان سے تعزیت کی اوران کے مرقد پر حاضری دی۔

۲۱؍اکتوبر: جامعہ دارالخیر گلستان جوہر کراچی میں حضرت مولانا اسفندیار خان صاحبؒ کے تعزیتی ریفرنس سے خطاب فرمایا۔

۲۲؍اکتوبر: والدمحترم مدظلہ نے جمعیت علمائے اسلام کی صوبائی قیادت کے ہمراہ کراچی کے بڑے مدارس ،جن میں جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال، جامعہ اشرف المدارس، جامعہ تجوید القرآن، جامعہ دارالخیر، جامعہ ربانیہ، جامع مسجد البدر مرکز العلوم الاسلامیہ منگھو پیر، جامعہ انوار القرآن نیو کراچی و دیگر کا دورہ کیا اوروہاں کے مہتممین صاحبان سے ملاقات کے علاوہ طلباء کرام وعلمائے کرام سے خطاب بھی فرمایا۔

۲۳؍اکتوبر: والدمحترم حضرت مولانا حامد الحق حقانی صاحب مدظلہ نے جامعہ صدیقیہ گلشن معمار کراچی میں مولانا منظور مینگل صاحب سے ملاقات اوران کی والدہ صاحبہ کی وفات پراُن سے تعزیت کی۔

۲۳؍اکتوبر: والدمدظلہ نے جامعۃ الرشید کراچی کا دورہ کیا اور وہاں کے اساتذہ وانتظامیہ کی جانب سے اپنے اعزاز میں منعقدہ استقبالیہ میں شرکت کی اور خطاب فرمایا۔

۲۴؍اکتوبر: والدمحترم حضرت مولانا حامد الحق صاحب مدظلہ امیر جمعیت علمائے اسلام پاکستان نے جمعیت علمائے اسلام صوبہ سندھ کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں بطور مہمان خصوصی شرکت کی اورصدارتی خطاب فرمایا۔اجلاس میں جمعیت علمائے اسلام صوبہ سندھ کی مجلس شوریٰ کے ارکان نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور مولانا حامد الحق حقانی صاحب مدظلہ کی قیادت پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔مرکزی سیکرٹری اطلاعات حضرت مولانا سید یوسف شاہ صاحب بھی ہمراہ تھے۔

۲۴؍اکتوبر: والدمحترم مدظلہ نے کراچی پریس کلب تشریف لے گئے جہاں کراچی کے معروف وسینئر صحافی حضرات کی جانب سے والدمدظلہ کے اعزاز میں منعقدہ ’’میٹ دی پریس‘‘ سے خطاب فرمایا۔

۲۵؍اکتوبر: ’’ہم نیوز‘‘ کے پروگرام ’’ایجنڈا پاکستان‘‘ میں معروف صحافی جناب عامرضیاء صاحب کی دعوت پر ایک گھنٹہ تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کروایا۔ ☆ ۳؍نومبر: والدمحترم مدظلہ نے جامعہ دارالعلوم اسلامیہ اضاخیل بالا میں منعقدہ تقریب ’’یوم والدین‘‘ میں بطور مہمان خصوصی شرکت وخطاب فرمایا۔

مولانا محمد اسلام حقانی

تعارف وتبصرہ کتب

• علمائے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اوران کی تصنیفی وتالیفی خدمات

مولف: مولانا سید محمد زین العابدین

ضخامت: 789 صفحات رعایتی قیمت: 585روپے ملنے کا پتہ: مکتبۃ النور جمشید روڈ کراچی

برصغیر پاک وہند میں دینی مدارس نے اسلام کی نشر واشاعت اور تحفظ و بقا میں بھر پور کردار ادا کیا ہے، ان دینی اداروں کا کردار اس سلسلہ میں ایک بھر پور تاریخ کا متقاضی ہے۔تعلیم وتعلم، دعوت وارشاد، تصوف واحسان، جہاد وحریت، امامت وخطابت، سیاست و مدنیت اور تصنیفی و تالیفی خدمات اس کے ابواب ہیں۔مزید آگے چل کر ان اصولی ابواب کو فروعی فصول میں بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے، مذکورہ خدمات میں آخری صنف (تصنیفی و تالیفی خدمات) پر بعض قدیم دینی اداروں کے ابناء نے قلم اٹھا کر اپنے اداروں کے کام کو اجاگر کرنے کی کوششیں کیں ہیں، مشت نمونہ ازخروارے کے طور پر مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری (ناظم جامعہ مظاہر العلوم، ونواسہ ریحانۃ العصر حضرت مولانا زکریاؒ) کی عمدہ کاوش ''علمائے مظاہر العلوم سہارنپور اور ان کی علمی وتصنیفی خدمات'' پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، دارالعلوم دیوبند کی اس جہت پر بھی ضمنی و جزئی کام تھوڑا بہت ہوا ہے،مزید کام تشنہ تکمیل ہے، تاہم اول الذکر ایک قابل تقلید نمونہ ہے۔

کچھ عرصہ قبل احقر نے دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ کی تاریخ مرتب کرنے کا ارادہ کیا تو اس کام کی تکمیل کے قریب دارالعلوم حقانیہ کے ایک فاضل اور میرے ہونہار شاگرد مولانا سید حبیب اللہ حقانی (حالاً مقیم ملاوی افریقہ) نے مجھے آکر اپنا سوالنامہ ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا کہ میں اساتذہ حقانیہ کے موضوع پر کام کرنا چاہتا ہوں۔احقر نے اس موضوع پر جو کام کیا تھا وہ دکھایا تو اس پر ان کا ارادہ مضمحل ہو چلا، میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ حقانیہ کی تاریخ کے مختلف جہات ہیں کسی اور جہت کو لیکر کام شروع کر لیجئے! اس سلسلہ میں پھر عم مکرم مولانا سمیع الحق شہیدؒ (سابق مہتمم دارالعلوم) سے بھی مشورہ ہوا تو موصوف کیلئے انہوں نے ''فضلائے حقانیہ کی تصنیفی وتالیفی خدمات'' کا موضوع مقرر فرمایا، رفتہ رفتہ قسط وار ماہنامہ الحق میں یہ کام شروع ہوا تاہم ۱۵/اقساط کے بعد یہ سلسلہ

کٹ گیا اور تاحال وہ آگے بڑھ کر کتابی شکل نہ پا سکا۔

بہرصورت اب ہمارے عزیز دوست مولانا زین العابدین صاحب نے ہمت مرداں مدد خدا پرعمل کرتے ہوئے، ''علمائے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اور ان کی تصنیفی تالیفی خدمات'' کے موضوع پر کام کرکے علمائے جامعہ بنوری ٹاؤن کی خدمات اجاگر کرنے کی بنیاد رکھ دی۔

یقیناً یہ انتہائی قابل قدر کاوش ہے، اس کتاب میں مؤلف موصوف نے بانی ادارہ محدث العصر حضرت مولانا یوسف بنوریؒ سے لیکر مولانا محمد بلال ابراہیم بربری تک چالیس علماء کے تقریباً تین سو پینسٹھ کتابوں کا تعارف فرمایا ہے، یہ وہ عظیم کام ہے، جو میرے خیال میں ان سے بڑے دینی اداروں کی تحریک وزیرانتظام ہونا چاہئے، اس لئے کہ اداروں کی دسترس اور وسائل بنسبت ایک فرد زیادہ وسیع ہوتی ہیں، قابل صد تحسین ہے مؤلف مذکور جنہوں نے اپنے عزم وہمت کو بروئے کار لاکر ایک اچھا نمونہ قائم کیا اس مجموعہ میں مرتب نے ہرمؤلف کا مختصر تعارف اور پھر اس کی تالیفات پر دوسرے اہل علم وقلم کے تاثرات وتبصرے اس انداز سے اکھٹے کئے کہ کتاب کے مشمولات پر روشنی اور تعارف دونوں کام حاصل ہوجائیں، یقیناً مولانا سید زین العابدین نے جو یہ گراں قدر کام انجام دیا یہ اپنے مادر علمی کے ساتھ وفا کا بین ثبوت اور دیگر اداروں کے فضلاء کے لئے سنگ راہ بھی ہے۔

تصنیف وتالیف خود ایک کٹھن کام ہے پھر اس کی اشاعت اس سے بھی بڑھ کر سخت امر ہے، ان سب گھاٹیوں کو مرتب نے احسن انداز سے پار کرکے استقامت اور بھرپور حوصلہ کا ثبوت دیا (اللھم زد فزد) عمدہ کاغذ اور دورنگی طباعت کے اعلیٰ معیار پر المنہل پبلشرز والے بھی قابل صد تحسین ہے، تاہم اگر ٹائٹل پر وہ مزید توجہ دیتے ڈسٹ کور پنی اور کتابت یہ مزید بہتر ہوتا۔

مرتب کے حوالہ سے ایک بات یہ کہ اگر وہ مؤلفین کا تعارف ذرا زیادہ فراخی کے ساتھ پھیلا کر کرتے تو یہ موزون ہوتا تاکہ پتہ چلتا کہ ملک کے طول وعرض میں وہ کس علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی موجودہ خدمات کیا ہیں؟ تاریخ پیدائش وغیرہ بھی لکھ دیا جاتا تو نورعلی نور، مرتب نے کسرنفسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی تالیفات علیحدہ ذکر نہ کئے بحثیت مجموعی کتاب ایک گنج گراں نمایہ ہے۔ (مبصر: مولانا عرفان الحق اظہار حقانی)

- **آسان تجویدی قاعدہ** تالیف: مولانا نوید احمد خان حقانی

ضخامت: ۷۶ صفحات ناشر: ادارۃ الایمان، رابطہ نمبر 0315 4949656

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کے رشد، ہدایت اور رہنمائی کیلئے قرآن کریم نازل فرمایا ہے اور یہ قرآن کریم ایسا کلام ہے جس کے ایک ایک حرف کی تلاوت پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں حتی کہ اس کے اوراق کو دیکھتے ہوئے بھی اجر اور سننے پر بھی ثواب ملتا ہے لیکن قرآن مجید کی درست تلاوت اسی وقت ہی ممکن ہوسکتی ہے، جب اسے علم تجوید کے قواعد وضوابط اور اصول وآداب کے ساتھ پڑھا جائے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ علمِ تجوید کے بنیادی قواعد سے آگاہی حاصل کرے، اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے قرائے کرام نے اس سلسلے میں نہایت اہم خدمات انجام دی ہیں اور تاہنوز یہ سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا، یہ قرآن کا معجزہ ہے علم تجوید پر سینکڑوں کی تعداد میں کتابیں لکھیں گئے ہیں ہر زبان میں اس علم پر اہل علم نے لا تعداد کتابیں اور قاعدے مرتب کئے جاچکے ہیں، اس سلسلے کی ایک حسین کڑی مولانا نوید احمد خان حقانی کی مرتبہ ''آسان تجویدی قاعدہ'' بھی ہے، انہوں نے بچوں کیلئے آسان تجویدی قاعدہ مرتب کرکے منظر عام پر لانے کی سعادت حاصل کی، اس ''آسان تجویدی قاعدہ'' میں نوارانی قاعدہ، جدید ہدایات، طریقہ تدریس، مشکل الفاظ کے ہجے، چہل احادیث، مسنون نماز مصور، مختصر قواعد تجوید وغیرہ قابل ذکر ہے، ناظرہ، حفظ اور علم تجوید کے طلباء اور طالبات کیلئے جدید انداز، عام فہم اسلوب میں لکھا گیا یہ ایک انتہائی مفید تجویدی قاعدی ہے اگر چہ یہ قاعدہ بچوں کیلئے لکھا گیا ہے، مگر بچوں سمیت بڑے بھی یکساں طور پر اس سے مستفید ہوسکتے ہیں، دیدہ زیب چھپائی اوراعلیٰ کاغذ نے کتاب کے حسن کو دوبالا کیا ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس کاوش کو نافع عام بنادے۔ (آمین)

- **تسهيل الوصول الى علم الاصول فی علم اصول الحديث على نهج سادات الحنفية**

تالیف: مولانا نثار احمد الحسینی ضخامت: ۲۳ صفحات

ناشر: خانقاہ امدادیہ مدرسہ عربیہ تعلیم القران حضرو اٹک 03122311400

زیر تبصرہ کتابچہ عربی زبان میں ہیں، علم اصول الحدیث کے موضوع پر یہ ایک مختصر مگر جامع رسالہ ہے جس میں مصنف موصوف نے علمائے احناف کے نہج پر اصول حدیث کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس رسالے میں مبادیات علم اصول الحدیث آسان اور عام فہم عربی میں بیان کرکے طلبہ علم الحدیث کیلئے آسانی پیدا کی ہے شیخ المشائخ حضرت مولانا سلیم اللہ خان نوراللہ مرقدہ اس رسالے کے متعلق یوں لکھتے ہیں ''میں اہل مدارس سے التماس کرتا ہوں کہ اس متن کو بنیادی درسیات کا حصہ

بنائیں اور تعلیم کتب حدیث سے پہلے اسے حفظ کرائیں تاکہ طلبہ کیلئے درس حدیث اور مسائل فقہیہ کے استنباط میں ان اصول کی روشنی میں سہولت ہو' یقیناً یہ رسالہ طلبائے علوم نبویہ کیلئے ایک نادر تحفہ اور ایک قیمتی سوغات سے کم نہیں۔

- **مجالس ذکراللہ کے نام پر علمائے دیوبند کے خلاف سازشیں** ضخامت:۴۲۴صفحات

مرتب: مولانا عبدالرحیم چار یاری ناشر: جامعہ حنفیہ شیخوپورہ روڈ فیصل آباد 03217837313

اللہ کا خصوصی فضل و کرم ہے کہ اس نے اکابر اہل سنت اور علمائے دیوبند کو تمام دینی اور دنیوی امور میں افراط اور تفریط سے بچائے رکھا اور وہ ہمیشہ سے راہ اعتدال پر قائم رہے، علمائے دیوبند کا مسلک، مسلک اعتدال اور صراط مستقیم ہے، آج کل اجتماعی مجالس ذکر اور ذکر بالجہر کے حوالے سے بحث ومباحثہ کا بازار گرم ہے، علمائے دیوبند میں بعض علمائے کرام نے اس کے حق میں لکھنے کی کوشش کی اور بعض نے اس کی تردید میں بہت کچھ لکھا، اس حوالے سے ایک کتابی سلسلے کا آغاز ہوا، اس تمام اختلافات کی بنیاد شیخ محمد بن علوی مالکی کی کتاب ''اصلاح مفاہیم'' ہے، اس کتاب کی تردید میں بہت سے علمائے کرام نے مقالات، مضامین اور کتابیں لکھی، پچھلے سال ایک کتاب ''تحفظ عقائد اہلسنت'' کے نام سے منظر عام پر آئی، جس کو مولانا عبدالرحیم چار یاری صاحب نے مرتب کیا۔

اس کتاب کے ایک باب ''مروجہ مجالس ذکر و درود شریف کی شرعی حیثیت'' کے جواب میں مولانا حفیظ اللہ صاحب نے ''مجالس ذکر اللہ کے خلاف سازشیں'' نامی کتاب لکھ ڈالی، اب اسکے جواب میں مولانا عبدالرحیم چار یاری نے زیر تبصرہ کتاب ''مجالس ذکر اللہ کے نام پر علمائے دیوبند کیخلاف سازشیں'' تحریر کی، اس میں انہوں نے اول الذکر کتاب کے مشمولات کا مدلل جائزہ لیا، شیخ محمد بن علوی کون ہیں؟ انکے کیا افکار ہیں؟ مجالس ذکر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اجتماعی مجالس ذکر کے حوالے علمائے کرام کے درمیان کیا کیا اختلافات ہیں؟ اور ان اختلافات کی شدت کتنی ہے؟ یہ سب معلوم کرنے کیلئے اس کتاب مطالعہ ضروری ہے، مولانا عبدالرحیم چار یاری نے اپنی اس کتاب میں ان تمام باتوں کا علمی جائزہ پیش کیا، چھ ابواب پر مشتمل یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے، اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے گنجینہ معلومات اور بہترین کاوش ہے، اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش کے اس دور میں اللہ تعالی ہم سب کو ایک امت بنادے اور باہمی دست وگریباں ہونے سے بچائے (آمین)

☆ ☆ ☆